[illegible]

"چودھویں صدی کی ایک زبردست یادگار"

یعنی

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں قرآن مجید کا سچا اور قطعی فیصلہ

سعادت مریمیہ

...سکول گوجرانوالہ

ساکن سمبڑیال تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

اَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم

اِنٹروڈکشن

۱۳ستمبر ۱۹۶۲ء

تقریر ۱۹۵۸ء ۱۹۶۲ء

صاحبان والاشان! اگرچہ مذہب کے بارے میں گفتگو کرنا آجکل کے فیشن کے بالکل برخلاف ہے۔ لیکن میں اس امر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ سچی راحت۔ اطمینان قلب۔ قناعت۔ اور اور صدہا اخلاقِ فاضلہ مذہب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اِن فوائد کی بنا پر میں علم دوست صاحبان کی خدمتِ گرامی میں مذہب کے بارے میں ایک مختصر سی عاجزانہ و دردمندانہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے۔ کہ وہ میری خلافِ فیشن گزارش کے اظہار پر اظہار رنجیدگی نہ فرماویں گے۔ اور اُسے ٹھنڈے دل کے ساتھ سننے کا فخر بخشیں گے۔ اور اگر اس کے سننے میں کچھ تکلیف محسوس ہو۔ تو خاکسار کو اس دردمندانہ سمع خراشی کے بارے میں معاف فرمائیں گے:۔

عرض حال

یوں تو سب مذاہب والے صاحبان طرح طرح کی مافوق الفطرت باتیں مانتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ اور آج سائنس دان لوگ ان باتوں پر ہنستے ہیں۔ اور اس طرح سے تمام مذاہب کی حقانیت کے بطلان پر ایک وجہ قائم ہو کر ان مذہبوں پر ایک قسم کے استہزا کی حکمرانی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے عام طور پر مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس پر عملدرآمد کرنا چنداں ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ لیکن **اِس بات** کا بڑا افسوس ہے۔ کہ قریباً قریباً تمام مذاہب میں بعض بعض باتیں ایسی بھی مانی جاتی ہیں۔ جو واقع میں مافوق الفطرت نہیں ہیں۔ لیکن عوام لوگ اُن کو مافوق الفطرت ہی مانتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اگرچہ ان باتوں کے **مافوق الفطرت** ہونے کے بارے میں مقدّس کتابیں تو کانوں پر ہاتھ رکھتی ہیں۔ لیکن لوگ ہیں۔ کہ خواہی نخواہی ان کو مافوق الفطرت ہی بتاتے ہیں۔ اور زبردستی ان کو مقدّس کتابوں کی طرف ہی منسوب کرتے چلے جاتے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِسی بات پر خوش ہونا چاہتے ہیں۔ کہ اُن کے مذہب میں تمام مافوق الفطرت باتوں کا ہی مجموعہ بھرا ہوا ہو تا لہ لوگ اُسے عظمت کی نگاہ سے دیکھکر مرعوب ہوں۔ اور اس بات پر راضی اور قانع نہیں ہوتے۔ کہ اُن کی مُقدّس کتاب میں بھولے سے

کسی فطری بات کا بھی اظہار ہو۔ جس سے سچائی کے حقیقی طالب کچھ فائدہ اُٹھا سکیں :-

یہی حال ولادتِ مسیح علیہ السّلام کے مسئلے کا ہے۔ اگرچہ قرآن شریف شروع سے آخر تک بڑی شدومد کے ساتھ اس عقیدے کو مافوق الفطرت ماننے والوں کے حق میں طرح طرح کی تہدیدیں فرماتا ہے۔ حتّٰی کہ فرماتا ہے۔ کہ اس عقیدے کو ماننے سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جاوے اور زمین شق ہو جاوے۔ اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر گر پڑیں۔ بلکہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ کہ اور گناہ بخشے جائیں تو بخشے جائیں۔ لیکن یہ گناہ ہرگز ہرگز نہیں بخشا جا سکتا۔ کہ لوگ جناب مسیح علیہ السّلام کی ولادت کو مافوق الفطرت مان لیں۔ یعنی اس کو بلا باپ پیدا شدہ مانیں :-

گویا ایسا کہکر قرآن شریف اُن تمام لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جو شرک کو ایک خفیف سا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے واسطے نجات کو قطعی طور پر ناممکن ٹھیراتا ہے۔ اور اُن کے تمام دیگر اعمالِ صالح کو گاؤخورد کر جاتا ہے :-

لیکن لوگ ہیں۔ کہ اُن کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ اور کسی کے کان کھڑے نہیں ہوتے۔ کہ صبر کے ساتھ اِتنا تو سُن لیں۔ کہ قرآن شریف کیا دُہائی دے رہا ہے۔ اور وہ کس گناہ کو ناقابلِ بخشش قرار دے رہا ہے۔ اور وہ کیوں شرک کو ناقابلِ بخشش ٹھہراتا ہے۔ اِس کا

جواب بالکل صاف ہے۔ کہ اسلام شرک ہی کے مٹانے کو دنیا میں آیا
اور اسی پر اسلام کو بجا اور واقعی طور پر فخر تھا۔ اور (ادعائی طور پر) ہے
اور (انشاء اللہ تعالے) ہوگا۔ اور اس کا ثبوت بھی بالکل صاف ہے۔ اور
مسلمانوں کا مجموعہ اد بار پکار پکار کر زبانِ حال سے اس بات کی گواہی
دے رہا ہے۔ کہ مسلمان لوگ کسی ناقابلِ بخشش گناہ کے مرتکب ہو گئے ہیں
کیونکہ اور گناہ تو بخشے بھی جا سکتے ہیں۔ اور اس واسطے وہ مسلمانوں کی قوم
کی تباہی کے موجب قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ شرک کے علاوہ سب سے
بڑا گناہ جو ان تیرہ سو سالوں میں مسلمانوں سے وقوع میں آیا۔ وہ معرکۂ کربلا
ہے۔ جس میں مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کے حقیقی نواسے کو جس کو قرآن کریم
میں فرزندِ نبی و ابنِ رسول علیہما الصلوٰۃ و السّلام کے نام نامی سے یاد فرمایا
گیا ہے۔ بڑی بے رحمی کے ساتھ بے آب و دانہ بھوکا پیاسا شہید کیا۔ یا کروایا
جب کہ وہ عین سر کے جدا ہونے کے وقت بھی موت کی پرواہ نہیں کرتے
تھے۔ بلکہ خشک زبان سے "انا عطشان" فرما کر پیاس پیاس کر رہے تھے
اور نہ صرف آپ کی دردمندانہ شہادت پر اکتفا کیا گیا۔ بلکہ اُن کے شیرخوار
بچوں اور بھائی کے بچوں کو بھی ذبح کیا گیا۔ اور پھر بڑی بے شرمی اور بیحیائی
کے ساتھ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی فضیحت روا رکھی گئی۔ اور مستورات
پردہ نشینوں کو قید کر لیا گیا۔ اور اُن کی چادریں بھی چھین لی گئیں۔ اور ایسا
کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روحِ مبارک پر درود کی بجائے
(نعوذ باللہ) لعنت بھیجی گئی۔

لیکن اُس زمانے میں بھی مسلمانوں پر یہ نکبت اور ادبار غالب نہیں ہوا تھا۔ جیساکہ اب نازل ہوا ہوا ہے۔ اللہ اکبر۔

صاحبان! میں کیا۔ اور مذہب کے بارے میں کتاب لکھنا کیا۔ یہ خُداتعالےٰ کا ہی فضل ہے۔ کہ میں نے ولادتِ مسیح علیہ السّلام کے بارے میں ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس بات کو نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ کہ (۱) عالی جناب اعلےٰ حضرت نبیّنا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی جسمانی پیدائش مافوق الفطرت نہ تھی۔ اور وہ خاص ایک مرد (یوسف نجار) کی صلب سے پیدا ہوئے تھے (۲) آپ کو بلا باپ پیدا شدہ ماننا ہی ایک خوفناک شرک ہے۔

صاحبان۔ میں بڑی خوشی کے ساتھ اور سچے دل سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ بنی فاطمہ میں سے ایک بزرگ یعنی حضرت سرسیّد احمد خانصاحب بالقابہم مرحوم مغفور رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ مبارک تفسیر القرآن وغیرہ میں اس مسئلے پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اور اپنے خاندان کا مذہب بتایا ہے۔ اور اس بارے میں آپ کی روح کو اور آپ کے جانشینوں اور وارثوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ لیکن میں اکابرانِ اُمّت سے اس امر کے اظہار کی معافی مانگتا ہوں۔ کہ آنجناب کے پیش کردہ دلائل کی روشنی اتنی کافی نہیں ہے۔ کہ شکوک وشبہات کی تاریکی کو مٹا سکے۔ اور غالباً یہی وجہ ہوئی ہے۔ کہ آج ہندوستان کے نامی گرامی جلیل القدر علماؤ فضلا میں سے تو درکنار۔ عوام الناس میں سے بھی کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا۔

جو اِس بارے میں سر سیّد احمد خانصاحب رحمۃ اللہ کا کم از کم ظاہری طور پر ہم خیال ہو۔ اللہ اکبر!

علیگڑھ کالج تو درکنار اِس وقت تمام ہندوستان کے باشندے علیگڑھ یونیورسٹی یا محمڈن یونیورسٹی کے تہِ دل سے خواہاں ہوکر عملی طور پر اس بات کا بڑے زور شور سے ثبوت دے رہے ہیں۔ کہ واقعی سرسیّد احمد خانصاحب کی خدمات قابلِ قدر تھیں۔ اور نہ صرف اہلسنت وجماعت کے مسلمان بلکہ شیعہ صاحبان۔ اور ان کے جمیع فرقے کیا چشتی کیا قادری کیا سہروردی کیا احمدی کیا اہلحدیث کیا اہل قرآن کیا اسمٰعیلی وغیرہ سب کے سب حضرت سرسیّد احمد خانصاحب کی بنیادی کارروائی کے بیک دل وزبان مداح اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور اِس مشہور مقولے کی زور شور سے تصدیق فرمارہے ہیں:۔ ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از ہزار رُسوائی

لیکن اِس **بنیادی مسئلے** سے جس کو آنجناب نے بڑی محنت سے ثابت کرنا چاہا۔ اور ایک حد تک کردیا۔ اور جو کہ **خدا کا کلام** ہے۔ اور جس پر مسلمانوں کی نجات کا مدار ٹھیرایا گیا ہے۔ اُس کے ماننے میں مسلمانوں کے جمیع فرقوں کو تامل ہے۔ اللہ اکبر!۔

گویا خدا کے وعدوں اور وعیدوں کی مسلمانوں کو پرواہ نہیں ہے۔ اور انسان کی سوچی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنے کا ان کو از حد

فکر لگا ہوا ہے - میرا مطلب یہ نہیں ہے - کہ میں یونیورسٹی کے بننے کا مخالف ہوں - بلکہ میرا مطلب یہ ہے - کہ اگر یونیورسٹی بنوا کر بھی اُس میں وُہی دقیانوسی مذہبی تعلیم (جس میں کربلا جیسے ہولناک واقعے کو تاریک کرنے کی غرض سے وضعی احادیث و روایات غیر معتبرہ و مسائلِ دوراز قیاس و علومِ غیر ضروری و بدعاتِ شنیعہ و مشاغلِ فضول کے انبار جمع کر کے دکھائے گئے ہیں) جاری رکھی جاوے گی - تو ایسی تعلیم کی حمایت میں ایک یونیورسٹی نہیں - بلکہ اگر لاکھ یونیورسٹیاں بھی کام کریں - تو بھی وہ مسلمانوں کو ایک انچ تو کیا ایک انچ کا لاکھوں حصّہ بھی آگے نہیں بڑھا سکتیں - اللہ اکبر:-

جائے تعجب و افسوس ہے - کہ مسلمان صاحبان سر سیّد احمد خانصاحب مرحوم مغفور کے عملی فعل کی تو اِس قدر قدر کرتے ہیں - لیکن آپ کے مبارک قولوں میں سے ایک چھوٹے سے قول کی بھی رائی کے دانہ کے برابر عظمت نہیں کرتے - اور اس کی روح کو ایک منٹ کے لاکھویں حصّے کے لئے بھی خوش نہیں ہونے دیتے - کیا وہ ایسا کر کے اُن صاحبان کا ساقیرہ نہیں رکھتے ہیں - جو پہلے آپ ہی آلِ رسول میں سے کسی سید صاحب کو شہید کرتے ہیں - اور پھر اس بزرگ کی قبر پہ خانقاہ بنا کر اُس خانقاہ کی پرستش کرنی شروع کر دیتے ہیں:- اللہ اکبر -

دوستو! میں نے اِس کتاب میں بڑی آب و تاب سے اس امر کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے - کہ واقعی ولادتِ مسیح علیہ السّلام کے بارے میں حضرت سر سیّد احمد خانصاحب مرحوم

مغفور رحمتہ اللہ علیہ کا خیال بالکل درست تھا۔ اور اختلافُ اُمتی رحمۃ کے مشہور مقولے کے بموجب یہہ تو جائز ہے کہ مسلمانوں میں فروعی اختلافات کی بنا پر ایک سے تین اور تین سے بارہ۔ اور بارہ سے بہتر فرقے موجود ہوں۔ اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض۔ یا اکثر یا سب کے سب ناجی بھی ہوں۔ لیکن یہہ کبھی ممکن نہیں ہے۔ کہ شرک جیسے مکروہ عقیدے کو رکھتے ہوئے بھی مسلمانون کا کوئی فرقہ (گو وہ تعداد میں علم میں عمل میں دولت میں قوت میں دلائل میں حسب میں نسب میں اُن میں سے ایک بات میں یا بہت سی باتوں میں خواہ دوسرے فرقوں سے متمیز بھی ہو) ناجی ٹھہر سکے ؛۔

معزز صاحبان! میں نے اِس کتاب میں (حصری طور پر نہیں صرف) تائیدی طور پر کہیں کہیں انجیل شریف کی مبارک آیات بھی درج کردی ہیں۔ اِس لیئے میں اُن تمام صاحبان سے جو انجیل شریف کے مطالعہ کو گناہ سمجھتے ہیں۔ معافی مانگتا ہوں۔ اور میں نے یہہ کام زیادہ تر اس لئے کیا ہے۔ کہ میں نے ضمنی طور پر اِس کتاب میں حقانیتِ رسالتِ جنابِ رسولِ کریم کو بھی ثابت کیا ہے۔ اور اِس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اس کے مطالعہ سے خدا کے کلام کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور کلام الٰہی کی نسبت بے ساختہ کہنا پڑتا ہے۔ لَيْسَ هٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ اور ایک منصف مزاج دہریہ یا نیچریلسٹ کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ؐ اور حضرت عیسی علیہ السلام کی بنوتوں میں شک

لانا ضدی یا بے سمجھ آدمیوں کا کام ہے۔ اور کیا قرآن شریف اور کیا
انجیل شریف دونوں ہی الہامی کتابیں ہیں :-

الغرض اس طرح سے اس کتاب کے مطالعہ سے ایک زبردست اور
گناہ سوز ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ مبارک وہ جو اس مسئلے میں تدبر فرماویں

بہرحال ہم کو اس بات کے ماننے میں قطعاً انکار نہیں ہے۔ اور
ہم بڑے شوق سے مانتے ہیں۔ کہ ہر ایک مذہب میں بعض عقائد مافوق
الفطرت بھی ہیں۔ جن کو ہم یا تو محض تھیوری کی غرض سے مانتے ہیں۔
تاکہ ہم اس کو صحیح مانکر اس کو دیگر مجہول الکنہ نتائج کی علت قرار دے
سکیں۔ خواہ واقع میں وہ تھیوری صحیح ہو۔ یا نہ ہو۔ جیسا کہ ہندو صاحبان
بنی نوع انسان کی حالت کے اختلاف کی بنا پر تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ گو وہ واقعی
طور پر صحیح ہو یا نہ ہو :-

یا ہم اربعۂ متناسب کے طور پر نظیر کی بنا پر استدلال کر لیا کرتے ہیں۔
خواہ وہ نتیجہ متناظر اور متماثل واقعے کے بارے میں صحیح ہو یا نہ ہو :-

مثلاً سب مسلمان لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو آدم کی
ولادت کے مشابہ قرار دیکر اس کی پیدائش کو بلا چوں و چرا بلا باپ تسلیم کر لیتے
ہیں۔ آہاہاہا۔ اہو ہو ہو :-

الغرض ہر ایک مذہب مافوق الفطرت عقائد کے بارے میں اس
قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ جس قسم کے فلسفہ پیش کرتا ہے۔ اور اس لئے
اصولی طور پر ایک حد تک نہ فلسفہ کسی مذہب کو کاٹنے کا فخر رکھ سکتا ہے۔

اور نہ سائینس :۔

لیکن جب کسی مذہب کے پیش کردہ دلائل اپنے ہی معیاروں کے بموجب ایک جہت سے صحیح ہوں۔ اور دوسری جہت سے غلط ہوں۔ تو کسی اہل مذہب کا حق نہیں رہتا۔ کہ وہ اس مقرر کردہ تھیوری یا اربعہ متناسبہ کو قائم رکھے :۔

مثلاً ولادتِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں آدمؑ کی مماثلت ظاہری طور پر تو بالکل صحیح نظر آتی ہے۔ لیکن جب ہم اس میں ایک اور مسئلہ بھی بڑھالیویں۔ یعنی "حملِ مریم" تو "حملِ مریم" کے ساتھ آدمؑ کی نظیر یوں اُڑ جاتی ہے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ کیونکہ حملِ مریم کی نظیر آدم میں تو کیا آدم کے فرشتوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ قرآن کریم میں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدم الوہیت کا بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح مریم کی عدم الوہیت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اگر ایک کی الوہیت کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے ایک نظیر کی ضرورت ہے۔ تو دوسری چیز کی الوہیت کو کاٹنے کے لئے نظیر کی ضرورت کو تسلیم کیوں کیا جائے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ متماثل نظائر میں اربعہ متناسبہ ہمیشہ کافی نہیں ہوا کرتا بلکہ بعض دفعہ ستہ متناسبہ بھی لگانا پڑتا ہے :۔

اور بعض دفعہ اربعہ متناسبہ کے نتیجہ کو ستہ متناسبہ کا نتیجہ بالکل بیخ و بنیاد سے اُڑا دیا کرتا ہے۔ کاش کوئی صاحب اسے سمجھیے :۔

الغرض ہمیں مطلق مافوق الفطرت عقائد سے نہ کوئی نفرت ہے نہ کوئی

دشمنی ہے۔ ہم خوشی سے اُن کو ذریعۂ ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن جب کوئی الہامی کتاب کسی مافوق الفطرت عقیدہ کی مخالفت پر لٹھ چلا رہی ہو۔ اور ستو باندھکر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ اور بے طرح اُس کی مخالفت پر تلی ہوئی ہو۔ تو پھر کوئی صاحب اگر بے سمجھی سے ان ہونی باتوں کے منوانے پر باتونی واعظوں کی طرح لوگوں کو مجبور کرتے پھریں۔ تو یہہ اُن کی اگرہٹ وھرمی نہیں تو اور کیا ہے :-

الغرض میں نے اس مختصر سی کتاب میں بڑی صفائی کے ساتھ صحیح مسئلے کو قرآن شریف کی آیات سے خصوصاً اور سیرتِ رسول سیرتِ خلفا اور تابعین کے تمسک سے عموماً روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے۔ اب بھی لوگ اگر ایسے نہ سمجھیں گے۔ تو وہ جانیں وہ ان کے نصیب :-

میرا حال تو یہ ہے۔ کہ اسی صحیح مسئلے نے جو کلام اللہ شریف اور انجیل شریف میں بڑی عقلمندی اور دقیقہ رسی سے فرشتوں کے پہرے کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے میرے ایمان کو نہ صرف تازہ کیا ہے۔ بلکہ قائم رکھا ہے۔

اور میں اس کا تحدیثِ بالنعمت کے طور پر تمام دنیا کے روبرو تذکرۂ مبارک اور ذکرِ خیر کرتا ہوں :-

تا لوگوں کو بھی اس ایمانی حلاوت کا مزہ آوے :- وَالسّلام

خاکسار محمد سعید سیکنڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی سکول گجرانوالہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

دیباچہ

وجہ تالیف کتاب

اوّل :۔ اللہ اللہ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ تمام مسلمان اپنے بچوں کو شروع عمر میں قرآن شریف سب سے پہلے پڑھوایا کرتے تھے۔ یا اب وہ زمانہ آگیا ہے۔ کہ چند خواص کے سوا عام لوگوں میں قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ہی ترک ہو چلا ہے۔ اس کی وجوہات تو بہت سی ہیں۔ لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کی ضرورت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کا کامل ایمان ہی نہیں۔ اور اس ضعیف الایمانی کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ کہ جو صاحبان مسلمانوں میں سے آج کل کی مروجہ تعلیم کے اکھاڑے میں بہت سی بازیاں جیت کر اعلےٰ اعلےٰ درجوں

پر پہنچ گئے ہیں۔ اُن کے تربیت یافتہ دماغ موجودہ سائنس کے برخلاف
عقائد سننے کے روادار ہی نہیں ہیں۔ اور اُن کے ایمانوں میں
سستی سی آگئی ہے۔ اُن کی دیکھا دیکھی کم درجے کے لوگ بھی مذہب
کے بارے میں یا تو بالکل بے پرواہ یا بالکل بے باک ہو گئے ہیں۔ اور
اس بات کا لازمی نتیجہ یہ ہو گیا ہے۔ کہ آج کل کے نوجوانوں کے
مزاج میں دین کی باتوں کی طرف دل برداشتگی پیدا ہو ہو کر اُن
کے مزاج میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں پیدا ہو گئی ہیں
جو اُن کو ہلاکت تک پہنچا رہی ہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بہت سے نوجوانوں کو اپنے اپنے
فرقہ کے مختص عقائد سے پوری پوری واقفیت ہے۔ اور بدقسمتی
سے مسلمانوں میں بہتر سے بھی زیادہ فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔
لیکن خاص خاص فرقوں کے مختص عقائد پر مسلمانوں کی نجات کا
منحصر ہونا اس زبردست حدیث کے منشا کے بالکل برخلاف ہے
جس میں حضرت رسول کریم ؐ نے فرمایا ہے۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ
دویم :۔ اس قسم کے فروعی اختلافات صحابہؓ رضی اللہ عنہم میں بھی تھے
لیکن باوجود اختلافات کے اسلام کے اصولی مسائل میں وہ سب
متفق تھے۔
اس اندھیر گردی یا اس کلجگ کے زمانہ میں بھی اگر مسلمان لوگ یہی وتیرہ
رکھیں گے۔ تو وہ زمانہ دور نہیں۔ کہ زمانہ اُن کو صفحۂ دنیا سے

اس طرح مٹا کر رہے گا۔ کہ ایسا معلوم ہوگا۔ کہ گویا مسلمان دنیا پر تھے ہی نہیں:۔

سویم۔ میں جب کہ ایک چھوٹا بچہ تھا۔ تب سے ہی مجھے اس بات کا یقین تھا۔ کہ میں ایک زبردست کام کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ چھوٹی ہی عمر میں میرے ذہن اور دماغی قوائے کا تمام گرد نواح میں شہرہ تھا۔ اور مجھے آوائل میں قرآن شریف کی تعلیم سے محروم رکھا گیا۔ لیکن مروجہ تعلیم میں میری ذہانت کے جوہر خوب کھلتے رہے۔ اور میں نے بڑے شوق اور محبت سے اپنے تئیں اس تعلیم مروجہ میں مدت دراز تک مشغول کئے رکھا۔ اور زمانہ طالب علمی میں میں ہر ایک جماعت میں اول نمبر پر رہتا۔ اور اول نمبر پر پاس ہوتا رہا۔ اور ضمنی طور پر میں نے عربی کی تحصیل بھی کی۔ لیکن امتحانوں کے فکر میں قرآن شریف کو بالائے طاق ہی رکھے رکھا۔

اس بدمذہبی کا خمیازہ بھی مجھے سخت بھگتنا پڑا۔ اور پھر میں ایک دفعہ ایسا بیمار ہوا۔ کہ دین و دنیا کی کچھ خبر نہ رہی۔ اور میری وہ ذہنی۔ تعلیمی۔ دماغی ترقی ایک حد تک رک گئی۔ اسی اثنا میں مجھے ایک بزرگ کی طفیل مذہبی لٹریچر کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میری زندگی حیوانوں سے بدتر ہے۔ اور مجھے اپنی حالت پر بہت پشیمانی حاصل ہوئی۔ اور پھر میں نے لامذہبی

کے خیالات چھوڑ دیئے۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف دھیان رکھنے لگا۔ اِسی حالت میں میں نے طرح طرح کے اَسرار دیکھے۔ اور طرح طرح کی ایسی باتیں دیکھیں۔ جن کی بابت مجھے یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب متواتر میں نے وُہی باتیں دیکھیں۔ تب میرے ایمان میں قوت پیدا ہو گئی۔ اور اُسی ایمانی قوت سے معمور ہو کر میں نہایت عاجزی کے ساتھ ایک بڑے ضروری مسئلے کے متعلق قلم اُٹھانے لگا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ مجھے اِس بارے میں کامیاب فرماوے اور میری محنت کو ٹھکانے لگاوے۔ آمین۔

مُدعا

چہارم:۔ میرا اِس کتاب لکھنے کا ایک مدعا تو یہ ہے۔ کہ جناب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادتِ مبارک کے عقیدے پر کامل روشنی ڈالوں۔ اور وہ عقیدہ جو بنی نوع انسان کو ہلاکت تک پہنچا رہا ہے اس کی بیخ کنی کروں۔ اور دوسرا خاص الخاص مدعا یہ ہے۔ کہ اِس مسئلہ مبارک کے ثبوت کرتے ہوئے ضمنی طور پر یہ بات بھی ثابت کروں۔ کہ قُرآن شریف الہامی کتاب ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ نبی برحق ہیں۔ اور دنیا کے طبقے پر کسی آدمی کی روحانی وجسمانی نجات نہیں ہو گی۔ جب تک کہ اُس کو اِن ہر دو بزرگوں کی رسالت کی حقانیت

پر کامل ایمان نہ ہو۔ اور تمام خواندہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ اپنے
بچوں کو قرآن شریف اور اس کے ترجمے سے بھی آگاہ کریں۔ اور سخت
تاکید کریں۔ کہ اُن کے بچے بھی بڑے ہو کر اپنے بچوں کو یہ کامل
کتاب پڑھائیں۔ اور اس طرح سے نسلاً بعد نسلٍ اس سلسلے کو
جاری رکھیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرینگے۔ تو دین و دنیا میں خائب
و خاسر و ناکام و نامراد رہیں گے۔ اور نہ صرف قرآن شریف کو ہی مطالعہ
میں رکھیں۔ بلکہ انجیل شریف کا بھی مطالعہ رکھیں۔ تاکہ اُن پر اللہ
تعالےٰ کی رحمت کا نزول ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے جیسا قرآن
شریف پر ایمان لانا فرض ہے۔ ویسا ہی انجیل شریف پر۔ جیسا کہ
قرآن شریف کے عین شروع شروع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔
وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج اس جگہ بعض

اور (اے پیغمبر) جو (کتاب) تم پر اتری اور جو تم سے پہلے اتریں اُن (سب) پر ایمان لاتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ وہم لگا ہوا ہے۔ کہ انجیل شریف محرّف مُبدّل ہے۔ حالانکہ
تحریف و تبدیل کے بارے میں جس قدر آیات کلام اللہ شریف
میں ہیں۔ اُن میں سے ایک میں بھی ذکر نہیں ہے۔ کہ انجیل یا
توریت محرف مُبدّل ہے۔ بلکہ اُن مقامات پر لکھا ہوا ہے۔ کہ
یہودی لوگ ہاں ہاں یہودی لوگ نہ کہ عیسائی صاحبان توریت
شریف کی باتیں سنانے کے وقت الفاظ پلٹ کر کے بتا جاتے ہیں۔
پس اس الزام سے کم از کم عیسائی صاحبان تو بالکل بری ہیں۔ لہذا

انجیل شریف محرّف مبدّل نہیں ہے۔ ملاحظ ہوں قرآن شریف کے مقامات ذیل۔ سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع۔ سورۃ مائدہ پارہ ۶ رکوع در رکوع۔ سورۃ البقر پارہ اول رکوع۔ اور توریت شریف بھی محرّف مبدّل نہیں ہے۔کیونکہ چند نافہم لوگوں کی غلط بیانی سے یہ لازم نہیں آجایا کرتا۔ کہ ان کی کتاب بھی بدل گئی ہو۔ اور ترجموں کا غلط ہونا نہ صرف انجیل یا توریت ہی میں ممکن ہے۔ بلکہ قرآن شریف میں بھی ممکن ہے۔ اور یہ ایک جدا بات ہے:۔

نوٹ اس مقام پر بعض صاحبان کو یہ وہم نہ گزرے کہ ہم اس اصول واپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے لازمی ٹھیرا رہے ہیں۔ حاشا وکلاّ اپنے مقصد کو ثابت کرتے ہوئے ہم نے قطعاً اس اصول کا استعمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنی کتاب میں ضمنی طور پر اس کے ثبوت کو مکمل کر دیا ہے۔ اور ہمارے دلائل محض محض قرآن شریف سے ہی ہیں۔ یا شاذ ونادر طور پر سیرت صحابہ سے بھی اخذ کئے گئے ہیں:۔

نوٹ:۔ یہ کتاب میری ایک اور ضخیم کتاب سعادتِ احمدیہ کا خلاصہ ہے جس کو میں نے کچھ تو بوجہ قلتِ استطاعت نہیں چھپوایا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ آج کل لوگ اختصار پسند ہو گئے ہیں۔ اس کو خلاصے کی شکل میں چھپوایا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ یاری دے گا۔ تو اصل کتاب بھی چھپوانے کا ارادہ ہے۔ اور وہ کوئی ہزار صفحے کی ضخیم کتاب ہے۔ لہذا اگر کسی صاحب کو کسی بات کی سمجھ پڑھی

طرح نہ آوے۔ تو وہ یا بذریعۂ جوابی خط مصنف سے پوچھ لیوے یا اصالتاً خاکسار کے پاس قدم رنجہ فرما کر اپنی تسلی فرمانیوے۔ یا دوسری مفصل کتاب کے چھپنے کا انتظار فرماوے۔ یہ حصہ آخر اُس مفصل کتاب کا خلاصہ ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ جزوی اعتراضات کا مفصل جواب کسی صاحب کو نہ ملے۔ ہاں مفصل کتاب میں ہم نے تمام باریک سے باریک اور خفیف سے خفیف تمام ممکن اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اور اس کتاب میں صرف ایک قسم کا اُن کا اجمالی بیان ہی ہے:۔

شکریہ

سب لوگ اپنی اپنی تصانیف میں خاص خاص معاونوں کا شکریہ ادا کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں اوّلاً اُس پروردگار حقیقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس مسئلے کے متعلق سمجھ بخشی۔ اور اسی ضمن میں میں اُن تمام بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کی وساطت سے میں اس مقام پر پہنچا۔ کہ مجھے حق اور باطل کی تمیز ہوئی۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے۔

ثانیاً میں گورنمنٹ انگریزی کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس کے سائے تلے مجھے اظہارِ حق کی توفیق ملی ہے۔ فی الواقع گورنمنٹ انگریزی پر بھی خدا کا خاص الخاص فضل ہے۔ اور یہ وہی مبارک گورنمنٹ ہے

جس کے ماتحت شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ اور ہر ایک آدمی کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اور تمام لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر اپنے عقائد کے اظہار کے لئے اور اپنی عبادات کے بجا لانے کے بارے میں پورے اختیارات حاصل ہیں۔ ایسا فضل ہندوستان میں بہت کم ہوا ہے۔ اور اگرچہ یہ ملک اس بارے میں تمام روئے زمین کے ممالک سے ہمیشہ مبارک تر رہا ہے۔ اور دیگر ممالک کی نسبت یہاں مذہبی آزادی شروع ہی سے زیادہ رہی ہے۔ لیکن اس زمانے میں انگریزی گورنمنٹ کی طفیل اب پوری آزادی ہے۔ اور اب وہی زمانہ ہے کہ کھلے بازاروں میں بت پرست لوگ اپنی مورتیوں کے جلوس نکالتے ہیں۔ اور تقیہ کرنے والے اصحاب اپنے عقائد کا اظہار بر سر بازار کرتے ہیں :-

الغرض ہم خاص طور پر گورنمنٹ انگریزی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے زیر سایہ ہمیں اظہار حق کا موقع ملا ہے۔ خدا اس مبارک گورنمنٹ کو دیر تک قائم رکھے۔ اور اس کے زمانے میں علوم و فنون و علوم حقہ کی اشاعت میں کبھی کمی نہ ہو :-

خاکسار
محمد سعید سکنڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی سکول گجرانوالہ

سورۃ الزخرف رکوع کی چودھویں آیۃ

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝

(بالفرض خدا سے) رحمن کے اکوئی اولاد ہو تو سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے کو میں (حاضر) ہوں

دلائل ضمنی

سعادت احمدیہ

دفعہ ۱

اس کتاب میں مندرجہ بالا عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے دو قسم کی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اوّل وہ آیات ہیں۔ جن سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف کا میلان کس عقیدے کی طرف ہے۔ اِس قسم کی دلائل کا نام ہم دلائلِ ضمنی رکھتے ہیں۔ اور دوسری وہ آیات ہیں جو براہ راست صحیح عقیدے کو بیان فرماتی ہیں۔ اُن کا نام ہم دلائلِ قطعی رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک کا بیان نمبروار کیا جاتا ہے:-

اولاً دلائل ضمنیہ

دفعہ ۲

پہلی آیت۔ سب سے بڑی جلیل القدر آیت جو اس بارے میں ضمنی روشنی ڈالتی ہے۔ وہ سورۂ اخلاص کی تیسری آیت لَمْ یَلِدْ ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے بڑے زور شور سے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا بیٹا کوئی نہیں ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ سورۃ اخلاص پارہ ۳۰ رکوع ۳۶

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

(اے پیغمبر یہ لوگ تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم ان سے) کہو کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

دفعہ ۳

اس آیت شریفہ کے بارے میں ایک جلد باز شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ ہم لوگ جو حضرت عیسیٰ کو بلا باپ پیدا شدہ مانتے ہیں۔ تو آپ کو یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا ولد (بیٹا) تو قرار نہیں دیتے۔ اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ ہر ایک انسان اپنی اپنی فطرت کے مطابق قیاس کرنے اور دلائل بیان کرنے کا حقدار اور مجاز ہے۔ کہ جب صحیفہ فطرت میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی انسان بلا باپ پیدا نہیں ہوتا۔ اور ادھر سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بات سے بالکل پاک ہے۔ کہ وہ جسمانی طور پر انسان کی طرح کسی دوسرے انسان کا باپ بنے۔ تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا بھی ایک جسمانی باپ تسلیم کریں۔ کیونکہ اگر ہم ایسا نہ کرینگے۔ تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی باپ ایک غائب وجود والا دیوتا تھا۔ جس کو خدا کرکے پکارا گیا ہے۔ بعضے کوتاہ بین لوگ اس مقام پر کیڑوں مکوڑوں وحشرات الارض کی مثال پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ مثال دو وجہ سے باطل ہے۔ اوّل تو قرآن شریف نے اس مثال کا کہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کی ولادت وخلقت کا مقابلہ انسان کی ولادت وخلقت سے کرنا سخت جہالت ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی روحوں اور انسانوں کی روحوں میں کوئی باہمی خلقی اتحاد قرآن شریف سے ثابت نہیں (خلقی مشابہت کا میں منکر نہیں ہوں) اور قرآن کریم تناسخ روحی کا قائل نہیں ہے۔ اگر کیڑے مکوڑوں کی روحوں اور انسانی روح میں کوئی اتحاد ہوتا۔ یا کم از کم قرآن کریم تناسخ روحی کا قائل ہوتا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ مثال ایک حد تک کافی تھی۔ الغرض یہ مشابہت ایک تناسخ کے ماننے والے کے منہ سے تو نکل سکتی ہے۔ لیکن مسلمان لوگ اس مشابہت کے بیان کرنے کے حقدار نہیں ہیں:۔

دفعہ

بعض مسلمان لوگ اس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کی مثال دیا کرتے ہیں۔ اور ایک آیت بھی پڑھکر سنایا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ کہ (خدا نے) مٹی سے آدم (کے پتلے) کو بنا کر اسکو حکم دیا کہ (آدم) بن اور وہ بن گیا

(پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران رکوع ۶ کی پانچویں آیت)

لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو اس آیت شریف میں حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مشترک مماثلت ومشابہت بیان کی گئی ہے۔ کہ دونوں ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور دونوں ہی خاکی ہیں (ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ) دونوں ہی کُن فیکُون کی ذیل کے اندر ہیں۔ اور دونوں ہی کسی صاحبِ ارادہ کا فعل ہیں۔ اور آپ آپ پیدا نہیں ہوئے۔ اِن میں اِن کی خِلقت کا ذکر ہے۔ نہ کہ ولادت کا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس بے گناہ آیت سے حضرت آدم کی تو خِلقت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا اِستدلال کیا جاوے؏۔

دفعہ ۵

الغرض اس آیتِ مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ولد اللہ ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اُس کے خدا نہ ہونے کی دلیل کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اسی رکوع میں ساتھ لگتی آیات میں آگے چلکر بڑے زور شور سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور حضرت محمدؐ صاحب کو مباہلے کے کرنے کی تاکید فرماتا ہے

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ٥ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥

(اے پیغمبر یہ ہے) حق بات جو تم کو تمھارے پروردگار کی طرف سے بتائی جاتی ہے تو کہیں تم بھی شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ پھر جب تم کو عیسیٰ کی حقیقت معلوم ہو چکی اس کے بعد بھی تم اسکے بارے

ہیں کوئی کٹ حجتی کرنے لگے تو (ایسے لوگوں سے) کہو کہ (اچھا تو میدان میں) آؤ (ادھر) ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں (ادھر) تم اپنے بیٹوں کو (بلاؤ) اور (نیز) ہم اپنی بیٹیوں کو (بلائیں) اور تم اپنی بیٹیوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنے تئیں (بھی شریک کریں) اور تم بھی اپنے تئیں (شریک کرو) پھر ہم (سب ملکر خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں ؛۔

اور مباہلے کے ذکر کے بعد اس مماثلت کا نتیجہ اللہ تعالےٰ نے یہہ بیان فرمایا ہے :۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o

(اے پیغمبر) یہ (جو فرمایا ہے ہم نے) بے شک یہی بیان واقعی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ وہی (سب سے) زبردست (اور حکمت والا ہے

اس پچھلی آیت کا ترجمہ جو مباہلے کے ذکر کے بعد بیان فرمائی گئی ہے۔ یہہ ہے (جو ہم نے اوپر فرمایا) بے شک یہی بیان واقعی ہے۔ اور **اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں** اور بیشک اللہ وہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے :۔

دفعہ ۶

اس درمیانی فقرے پر آکر اوپر کی ساری بحث کا خلاصہ آشیر ہوتا ہے (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور اسی فقرے پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس اوپر والی آدم کی آیت شریفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف مفروضہ الوہیت کا ہی رد فرمایا گیا ہے۔ نہ کہ ان کی مفروضہ ابنیت کا (والوہیت دونوں کا) جیساکہ عام طور پر تفاسیر مروجہ میں پایا جاتا ہے۔ اور

اسی وجہ سے ہمارا اوپر کی آیت کے ترجمے میں خطوط وحدانی کے اندر یہ بڑھانا کہ (اس میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہو سکتا الخ) نہ صرف جائز اور صحیح ہے۔ بلکہ ضروری اور لازمی ہے:۔

دفعہ

اور قطع نظر اسکے اگر بہ سبیلِ تنزل مان بھی لیا جاوے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت آدم علیہ السلام میں پھر بھی ایک مُشابہت تھی۔ کہ اُن میں سے ایک بلا والد پیدا ہوا۔ اور دوسرا بلا والدین۔ تو یہ کوئی مشابہت نہیں۔ کیونکہ اوّل تو والد اور والدین میں مساوات نہیں ہے۔ اور دوسرے امور منفیہ یعنی سلبیہ کی مشابہت کوئی مشابہت نہیں ہوا کرتی۔ مشابہت ہمیشہ امور ثبوتیہ یعنی مثبتہ کی ہوا کرتی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے بیان بھی فرما دی ہے (وَخَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ وَثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ)

فرض کرو کہ زید و عمرو دو آدمی ہیں۔ اُن میں سے ایک جہاز ران ہے۔ اور دوسرا سنار ہے۔ تو زید اور عمرو میں یہہ کوئی مشابہت نہیں ہو سکتی۔ کہ دونوں حجّام نہیں ہیں۔ دونوں بڑھئی نہیں ہیں۔ دونوں کاشتکار نہیں ہیں۔ دونوں خالد کے ماموں نہیں ہیں۔ اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کے مثیل ہیں۔ مشابہت کی وجہ تو کوئی مثبت ہونی چاہئے۔ نہ کہ منفی۔ مثلاً وہ دونوں آپس میں بھائی ہی ہوں۔ ایک باپ اور ایک ماں کے بیٹے ہوں۔ یا ایک باپ (جب کہ وہ دونوں دو ماؤں کے بیٹے ہوں) کے بیٹے ہوں۔ یا ایک ماں کے بیٹے ہوں (جب کہ وہ دونوں دو

باپوں کے بیٹے ہوں) پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں یہہ کوئی مشابہت نہیں۔ کہ ہم یہ قیاس کریں۔ یا قیاس کرنے کا وہم بھی کریں کہ اُن میں سے ایک بلا والد پیدا ہوا تھا اور دوسرا بلا والدین۔ خصوصاً جبکہ آدمؑ کے بلا والدین پیدا ہونے کا قرآن کریم میں ذکر بھی نہ ہو۔ اور آدمؑ سے مراد عام انسان بھی ہوں۔ نہ کہ صرف ایک شخص جو ایک خاص لوگوں کا پیغمبر تھا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ اعراف کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں بڑے زور شور سے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

تحقیق ہم نے پیدا کیا تم کو پھر صورت بنائی تمہاری پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو

اس آیت شریف سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی اصطلاح کے بموجب ہر ایک انسان کو آدم کہہ سکتے ہیں۔ نہ کہ صرف آدم علیہ السلام کو تو پھر جبکہ یہہ حال ہے۔ تو آدم کے اِس معنوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آدم کے درمیان اِس سے بڑھکر کونسی مشابہت قائم کروگے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنی پاک کلام میں آپ ہی درج فرمادی ہے۔ اور جو ہر ایک آدمی پر صادق آسکتی ہے: (خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) کیوں کہ خلقتاً ہر ایک انسان مٹی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے ماننے میں کسی کو کلام نہیں:۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی کلام اللہ شریف

میں اس بات کی کہیں تصریح نہیں ہے۔ کہ وہ بالضرور تمام دنیا کے ابتدائی آدمی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسی سورۃ کے رکوع ۴ کی تیسری آیت میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً

اللہ نے دنیا جہان کے لوگوں پر (ترجیح دیکر) آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو چن

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

لیا ہے (یہ لوگ ہی آدم کی) اولاد (تھے) ایک کی (نسل) ایک اور اللہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ) جانتا ہے:۔

دوسری آیت شریف سے اتنا تو ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ آدمؑ کی اولاد سے حضرت نوحؑ اور حضرت نوحؑ کی اولاد سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے آلِ عمران کے لوگ پیدا ہوئے ہوں گے۔ لیکن پہلی آیت سے اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ آدمؑ کو کن لوگوں میں سے اللہ تعالےٰ نے برگزیدہ کیا تھا۔ ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا منشا اُن کو اُن کی اولاد میں سے چُننے کا ہو۔ اور اولاد ہی سے اُن کے انتخاب کرنے کا تذکرہ یہاں درج ہو۔ لیکن اس بات کی یہاں تخصیص نہیں ہے۔ اور عالمین کا لفظ عمومیّت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ خصوصیّت پر۔ بہر حال دفعہ ۴ کی یہ دلائل اگر کمزور بھی ہوں۔ تو بھی کوئی ہرج کی بات نہیں۔ کیونکہ دفعہ ۵ و دفعہ ۶ کے دلائل کافی طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ اور عیسیٰؑ کی مشابہت بیان کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ کی خلقت کا۔ اور اس بات کی تائید ذیل کی دلیل سے بھی کما حقہ ہوتی ہے

دفعہ ۸

اگر یہ ضروری سمجھا جاوے۔ کہ آدمؑ کی مشابہت والی آیت شریفہ سے اللہ تعالےٰ کا منشا نہ صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مفروضہ الوہیت کو باطل کرنے کا ہے۔ بلکہ اس کی مفروضہ اِبنیت کا بھی قلع قمع کرنا اُس کا مقصود ہے۔ (جیساکہ تشبیہوں کے بیان سے استثنا بیشک ٹوٹ جایا کرتی ہے) تو اِسی اُصول کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کی تشبیہہ کہاں سے پیدا کروگے۔ جس کو تمہارے خیال کے مطابق بلا خاوند حمل ہو گیا تھا۔ جس حالت میں تم اِس بات کو جائز ٹھہراتے ہو۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مشابہت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دونوں باتوں یعنی ولد اللہ اور اللہ ہونے سے روکتی ہے۔ اور تمہارے خیال کے مطابق اِسی غرض کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ مشابہت بیان کردی ہے۔ تو کیا یہ ضروری نہ تھا۔ کہ اللہ کوئی ایسی نظیر بھی بیان فرماتا۔ جس سے ایسا ہوجاتا کہ حضرت مریم علیہا السلام کا حمل آدم سے تاایندم بے نظیر ثابت نہ ہوتا۔ اِس کی کوئی نہ کوئی نظیر اُسے دینی ضروری تھی۔ تاکہ اس کی بے نظیری حضرت مریم علیہا السلام کا خدا یا خدا کا کفو یا خدا کی (بیوی) صاحبہ ہونے پر ایک زبردست اور محکم دلیل نہ قائم ہوجائے کیونکہ بلاحمل لڑکا پیدا ہونیکی وجہ سے مریم علیہا السلام کو ایک فرقہ اللہ تعالےٰ کا ایک اقنوم یا اس کی صاحبہ (بیوی) یا خود اللہ ہی مانتا ہے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے ایک مقام پر اس بارے میں اشارہ بھی فرمایا ہے:-

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

اور قیامت کے دن یہ معاملہ بھی پیش آئیگا کہ اسدن مریم کے بیٹے عیسیٰ (کو اللہ تعالےٰ کہے گا) کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھکو اور میری والدہ کو خدا کے سوا دو معبود بناؤ؟

اور پھر فرماتا ہے۔ سورۃ انعام رکوع ۱۳ میں :-

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ؕ

اور اس کی اولاد کیوں ہونے لگی جبکہ کبھی اس کی کوئی جورو ہی نہیں

اور پھر فرمایا ہے۔ سورۃ جن رکوع ۱ پارہ تبارک الذی

وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝

اور ہمارے پروردگار کی بڑی اونچی شان ہے۔ اس نے نہ تو کسی کو اپنی جورو بنایا اور نہ کسی کو بیٹا بیٹی اور ہم میں (کچھ)

احمق (ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو) خدا کی نسبت بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے :-

پس جب اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی مفروضہ صاحبیت کاٹنے کے لئے بنی نوعِ انسان میں کسی عورت کی نظیر پیش نہیں فرمائی تو اُس کی طرف سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مفروضہ ولدیت یا ابنیت (ولد اللہ ہونے یا ابن اللہ ہونے کے عقیدے) کو کاٹنے کے لئے کیوں نظیر پیش کرنے کی ضرورت کو جائز اور صحیح قرار دیا جاوے پس قطعی اور ضمنی طور پر ثابت ہو گیا کہ اِس مشابہت والی آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وِلادت کے متعلق صراحتہً یا کنایتہً کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ اور اِس آیت سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بلا باپ پیدا شدہ ماننا قطعی طور پر لغو۔ غلط اور باطل ہے :-

دفعہ ۹

دوسری زبردست آیت جو ضمنی طور پر اِس مسئلے پر روشنی ڈالتی ہے

وہ یہ ہے (سورۃ النساء رکوع ۲۲)

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا

اور (نیز) اُن کے کفر کی وجہ سے اور مریم کی نسبت بڑے (سخت) بہتان (کی باتیں) بکنے کی وجہ سے

یہ آیت ایک پورا جملہ نہیں ہے۔ اور ماقبل و مابعد کی آیات کو ملانے سے اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے کہ یہودیوں کو چند وجوہات سے اللہ تعالےٰ نے پھٹکار دیا۔ اور منجملہ اُن چند وجوہات کے ایک یہ وجہ تھی۔ کہ اُنہوں نے کفر کیا۔ اور (حضرت) مریم علیہا السلام پر بڑے سخت بہتان کی باتیں کیں۔

اب موجودہ عقیدے کو اس آیت شریف کی کسوٹی پر رکھو اور پرکھ کر دیکھو۔ کیا وہ عقیدہ اس آیت شریفہ کی موجودگی میں ایک سکنڈ یا طرفۃ العین کے لئے بھی ٹہیر سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ کو یا اُس کی طرف سے اُس کے کسی رسول کو یا رسول مقبول کی طرف سے اُس کے کسی خلیفۂ وقت کو یا کسی خلیفۂ وقت کی طرف سے کسی منصف مزاج عادل مومن کو حق پہنچ سکتا ہے۔ کہ وہ ایک مافوق الفطرت عقیدہ نہ ماننے کے جرم میں ایک قوم کی قوم کو موردِ غضب و لعنت ٹھہرائے۔ اگر یہ حال ہے۔ تو کیوں روئے زمین کے کل مسلمان عیسائیوں یا ہندوؤں کی طرف سے جو طرح طرح کے مافوق الفطرت عقیدے مان رہے ہیں۔ مثلاً کفارہ تثلیت۔ تناسخ۔ لعنتی قرار نہ دیئے جائیں۔ اور کیوں اُن پر دھینگا دھینگی طرح طرح کے فرد جرم نہ لگائے جائیں۔ ذرا غور کرکے دیکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ قصفا کے طور پر اُن کے کفر کی وجہ سے یہودیوں کو لعنتی یا مغضوب تو ٹہرا سکتا ہے

لیکن انصاف پسند مفتی کی حیثیت میں ہو کر فتوے کے طور پر اُن کے قول پر گرفت نہیں کر سکتا۔ جبکہ ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر تم چاہتے ہو۔ کہ یہودی خواہ مخواہ مغضوب یا ملعون ٹھہرائے جائیں۔ تو تم اللہ تعالےٰ کو قاضی ٹھیرا کر محض اُن کے کفر کی بنا پر ایسا کر سکتے ہو لیکن اُن کے محض قول کی بنا پر تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ پس بہتر علاج یہی ہے۔ کہ یا تو موجودہ عقیدے سے باز آؤ۔ یا ہمت کر کے قرآن شریف سے بکفرھم کے بعد کا جملہ کاٹ ڈالو۔ تاکہ تمہارا خود ساختہ عقیدہ بنے کا بنا رہے۔ یا اللہ تعالےٰ کو ظلام للعبید۔ اور بیجا حمایت کرنے والا ٹھیراؤ۔ یا مریم کو اس کی بیوی ٹھیراؤ۔ جس کی بیجا حمایت کے لئے وہ نعوذباللہ سینہ سپر ہو کر یہودیوں کو ترکی بہ ترکی جواب سُنا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کو محض بُری بات کا سننا ہی ناگوار ہوتا ہے۔ اور اس کی بنا پر اس نے یہودیوں کو بھی ایسا کہہ دیا ہے۔ جیسا کہ اس نے اسی (چھٹے) سیپارے کے عین شروع کی ابتدائی آیت میں بڑے زور شور سے فرمایا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ

(جس کا ترجمہ یہ ہے اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی (کسی کو) منہ پھوڑ برا کہے

لیکن اسی آیت کے ساتھ ساتھ ہی فرمایا ہے

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا

مگر جس پر (کسی طرح کا) ظلم ہوا ہو (اور وہ منہ پھوڑ کر ظالم کو برا کہہ بیٹھے تو معذور ہے) اور اللہ سب کی سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے

اللہ اکبر۔ اللہ تعالےٰ کی ذات تو ایسی عادل سمیع علیم ہو۔ کہ وہ مظلوم کو معذور قرار دے۔ لیکن تم ایک غلط عقیدہ کی حمایت کرکے اس عادل سمیع علیم ذات کو اپنے وعدوں سے پھر جانے والا منوا رہے ہو۔ اور اُن یہودیوں کو جو فطرت کی حدود کے اندر اندر صادق القول ہیں۔ اور ایک رنگ میں مافوق الفطرۃ قول کی شہادت نہ دینے کی وجہ سے فطرتاً مجبور اور بنا بر آں درگاہِ ایزدی میں مظلوم ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ مغضوب و ملعون ٹھیروا رہے ہو۔ اگر تمہارے معیاروں کے بموجب یہودی محض ایک مافوق الفطرت عقیدے کی تائید میں تمہارے یا تمہارے خدا کے ساتھ قولی طور پر متفق نہ ہوں۔ اور بنا بر آں لعنتی کہلانے کے مستحق ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان کے معاملے میں کچھ دنوں کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں تم کو کس فتوے کا جاری کرنا منظور ہے۔ جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے مشورے سے حضرت عائشہ علیہا السلام اور اس کی لونڈی سے قسم لیکر پوچھا تھا۔ اور باوجود قسم کے اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا تھا۔ اور پھر الہامِ الٰہی سے ہی اُن کو تسلی ہوئی تھی۔ اور اُن کی اپنی فطرت نے انہیں تسلی نہ بخشی تھی۔ آیا اُن کو بخش دوگے۔ یا اُن کی فطرت کو ظالم ٹھیراؤگے۔ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالکر دیکھو۔ اگر خدانخواستہ تم میں سے کسی کے گھر میں تمہاری مبنی غیر حاضری میں حمل ...... ہو جائے۔ تو اس پر بہتان باندھوگے یا اس کو صدیقہ۔ نبیہ۔ صالحہ قرار دوگے۔ پس بصورتِ اوّل تم کو کیوں یہودیوں کی طرح لعنتی نہ قرار دیا جائے۔ جب تم لعنتی بننے کے

لیے تیار نہیں ہو۔ تو تم کس منہ سے یہودیوں پر اِس الزام کے قائم کرنے کا حق رکھ سکتے ہو۔ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا۔ جب تمہارا اپنا ضمیر تمہیں اندر سے ملامت کر رہا ہے۔ کہ خبردار بیچارے یہودیوں پر الزام نہ لگانا۔ اور جب تمہارے اسوۂ حسنہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمال سے عائشہؓ کے بہتان کے بارے میں سکوت فرما کے اپنی فطرتِ صحیحہ کا اظہار کر دیا۔ تو کیا ابھی تک تم اللہ تعالےٰ کا منشا نہیں سمجھتے۔ جس نے کمال عدل وانصاف سے "قول" کے بارے میں ناطق فیصلہ فرما دیا لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۔

دفعہ ۱۰

پس اگر تم چاہتے ہو۔ کہ مفتی کی حیثیت میں ہو کر فتوے کے طور پر یہودیوں کو ملزم گردانو۔ تو پہلے اپنا عقیدہ مافوق الفطرت کو قوانین کی حدود کے اندر اندر لا کر بآوازِ بلند کہو۔ کہ ہاں ہاں حضرت مریم علیہا السلام کا حمل اپنے خاوند جائز سے ہوا تھا۔ لیکن یہود بے بہبود ظالمانہ طور پر حضرت مریم علیہا السلام پر بیجا طوفان باندھتے تھے۔ حالانکہ ایسا کہنے کے بارے میں اُن کے پاس کوئی شہادت نہ تھی۔ محض جھوٹ اور افترا کے طور پر وہ ایسا کرتے تھے۔ اور دل میں جانتے تھے۔ کہ ہمارے پاس کوئی شہادت وغیرہ تو ہے نہیں۔ لہٰذا تم کو بھی اور تمہارے خدا کو بھی اُن کے اِس جھوٹ کی پاداش میں جو خبیث بدباطن آدمی کے اندر سے نکلا کرتا ہے یہودیوں کو مغضوب ٹھیرانے کا حق پہنچ سکتا ہے۔

دفعہ ۱۱

تیسری آیت شریفہ جو اس عقیدے پر براہِ راست روشنی ڈالتی ہے وہ سورۃِ تحریم پارہ تبارک الذی ۲۹ رکوع ۲ کی آخری آیتِ شریفہ ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ۔

(ترجمہ) عام مسلمانوں کو عموماً اور اُن ازواج مطہرات اُمہات المومنین کو خصوصاً جو حضرت خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔ اُن سب کو تحریص وترغیب دلانے کے لئے خداتعالےٰ دو نیکوکار مومنہ عورتوں کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ایک تو فرعون کی بیوی ....اور دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کو بدکاری سے محفوظ رکھا۔ تو ہم نے اُس کے پیٹ میں اپنی روح پھونکدی۔ اور اس نے اپنے پروردگار کے کلام اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کردی۔ (کیوں نہ ہو) وہ ہمارے فرمان بردار بندوں میں سے تھیں۔

یہ ایک آیت ہے۔جو کہ اسرارِ آلہٰی سے بھری ہوئی ہے۔اور اسی کی تفسیر کی تکمیل کے لئے ہم نے ایک مبسوط اور ضخیم کتاب تیار کی ہے۔ اور یہاں اس کی تفسیر کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔اس لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں۔کہ وہ مجھے اس بارے میں کامل توفیق بخشے۔آمین:۔

دفعہ ۲

واضح ہو کہ اس آیتِ شریفہ میں اس قدر اسرار الٰہی بھرے ہوئے

ہیں۔ جن کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ یہاں صرف ضرورت کے مطابق کچھ تھوڑا سا عرض کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اِس آیۃِ شریفہ میں اجمالی طور پر حضرت مریم علیہا السلام کی ساری سوانح عمری مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ اور ساتھ ہی کل مومنوں کو تحریص دلاتا ہے۔ کہ وہ بھی مریم علیہا السلام کی پیروی کریں۔ تاکہ اُن پر بھی اللہ تعالےٰ کے انعامات نازل ہوں۔ مومنوں کی تحریص والے فقرے کے علاوہ مریمؑ کی ذات کی بابت اس میں چار باتوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ہے۔ دوسرے فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا ہے۔ تیسرے وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ ہے۔ چوتھے وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ؕ ہے۔ اور ہم سلسلہ وار ہر ایک کا بیان کرتے ہیں۔

دفعہ ۱۳

اوّل اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ہے۔ اِس جملے کے امکانی طور پر دو معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ مریمؑ ساری عمر کنواری رہی۔ دوم یہ کہ اُس نے اپنے تئیں بدکاری سے بچائے رکھا۔ اور جامع طور پر اس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ اس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ کلام اللہ شریف میں اَحْصَنَ کا لفظ (مجامعت سے مطلق پرہیز اور بدکاری سے پرہیز اور مجامعت جائز سے بہرہ ور ہونے) دونوں کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ (ملاحظہ ہو پارہ محصنات کا شروع) (۱) وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ ...الخ

اور پھر ساتھ ہی دوسری آیت شریفہ میں فرماتا ہے :۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ .... الخ

پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تم پر محصنات عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہاں پر محصنات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دوسروں کے نکاح میں آگئی ہوں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ جس آدمی میں محصنات عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو۔ الخ۔ یہاں پر محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہے۔ جو کسی کی لونڈیاں نہ ہوں۔ اور نہ کسی کے نکاح میں ہوں۔ خواہ کنواری ہوں خواہ بیوہ۔ بہر حال آیت مذکورہ بالا میں جو احصنت فرجہا کا فقرہ ہے۔ اُس سے صرف اِسی قدر پتہ چلتا ہے۔ کہ مریمؑ نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اِس سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا۔ کہ آیا اُس کا کوئی خاوند بھی تھا۔ یا نہیں؛۔

دفعہ ۱۴

دوم فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ہے۔ کہ ہم نے (اللہ تعالےٰ نے) اِس کے پیٹ میں نفخ روح کیا۔ اِس جملے کا مطلب زیادہ تر غور کے قابل ہے۔ کہ آیا نفخِ روح سے کیا مراد ہے۔ اسی آیت سے ملتی جلتی آیت ایک اور مقام پر بھی بیان فرمائی ہے۔ اِس میں فَنَفَخْنَا فِیْهِ کی بجائے فَنَفَخْنَا فِیْهَا ہے۔ دیکھو پارہ ۱۷ اقترب اللناس سورۃ الانبیا رکوع ۶ کی سولھویں آیت۔ اور وہ یہ ہے۔ والتی احصنت فرجہا فنفخنا فیہا من روحنا وجعلنٰہا وابنہا ایۃ للعٰلمین۔ اِس میں یہ لکھا ہے۔ کہ ہم نے (اللہ تعالےٰ نے) مریم میں نفخ

روح کیا. پیشتر اس کے کہ ہم نفخِ روح کے معنے قرآن شریف کی دیگر آیات سے نکال کر دکھا دیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انہیں آیات میں نفخِ روح سے کیا مراد رکھی گئی ہے:۔

سو پہلی آیت میں تو نفخِ روح کو کلماتِ ربی سے اور دوسری میں ابنہا (اپنے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تیسرے جملے میں مذکور ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ الفاظ "کلمات" اور "ابنہا" اور "روحنا" میں کوئی شدید مماثلت ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روحٌ منہٗ اور ایک تیسرے مقام پر کلمتہ منہ کہکر فرمایا گیا ہے۔ اور ایک مقام پر اکٹھا دونوں کو جمع کر کے بھی فرمایا ہے ملاحظہ ہو آیت ذیل:۔

یااھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم ولاتقولو علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القٰھا الیٰ مریم وروح منہ فاٰمنوا باللہ ورسلہ ولاتقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرا لکم انما اللہ الٰہ واحد سبحنہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السمٰوت وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا

(پارہ ۶ لایحب اللہ سورۃ النساء رکوع ۲۳ کی آخری آیت مبارک:۔

دفعہ ۱۵

ان تینوں مقاموں پر اللہ تعالےٰ نے دراصل ایک ہی بات بیان فرمائی ہے۔ پہلے مقام پر اعلےٰ درجے کے اجمال کے ساتھ اور دوسرے مقام پر کسی قدر تشریح کے ساتھ اور تیسرے مقام پر پوری تشریح کے ساتھ

بیان فرمایا ہے۔ اور روحنا۔ کلمتہ۔ روحٌ منہُ سب مترادف الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ اور القہاالی مریم اور فنفخنا روحنا مترادف فقرے ہیں اِسی سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ مریم میں نفخ روح بذریعہ القا (الہام) ڈالا گیا تھا۔ نہ کہ بذریعۂ فرزجہ (پچکاری) بلکہ وہ صرف ایک کلامِ ربانی تھی۔ جو اس پر نازل کی گئی۔ پھر اِن تینوں مقاموں کو یکجائی طور پر ملانے سے پہلی آیت کے معنے خودبخود کھل جاتے ہیں۔ جہاں کلمہ کی بجائے کلمات کا اظہار ہے اور صرف کلمات پر ہی اللہ تعالےٰ نے اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اُس کے ساتھ کتبہٖ کا لفظ بھی بڑھایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مریم پر جب الہام نازل ہوا۔ تو اس نے نہ صرف الہامِ الہی کی تصدیق کی بلکہ اللہ تعالےٰ کی سابقہ کتابوں کی بھی تصدیق کردی۔ ہم اِس کی تفصیل ایک اگلے مقام پر کرینگے۔ کہ وہ تصدیق کس طرز پر کی گئی تھی:۔

دفعہ ۱۶

سوم۔ تیسرا جملہ وصدقت بکلمات ربہا وکتبہٖ کے معنے تو اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ یہاں یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ اس کا چوتھے جملے سے کیا تعلق ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وکانتْ مِنَ القانتین:۔

تیسرے جملے میں تو اللہ تعالےٰ یہ فرماتا ہے۔ کہ اس نے کلامِ الٰہی وکتبِ سابقہ کی تصدیق کی۔ یعنی اُس کلام کی بھی تصدیق فرمائی۔ جو کتبِ سابقہ میں درج تھا۔

چوتھے فقرے میں یہ درج ہے کہ وہ بڑی فرماں بردار تھی

تسلسلِ مضمون کے لحاظ سے اس کی فرماں برداری یہی تھی
کہ اس نے کلامِ الٰہی کی تصدیق فرمائی۔ نہ طرف قولی طور پر بلکہ فعلی طور پر۔
کیونکہ قانت (تابعدار بندہ) اُس آدمی کو نہیں کہتے۔ جو زبانی جمع خرچ
سے ہی مالک کی تسلی کر دیوے۔ بلکہ اُس تابعدار بندے کو کہتے ہیں۔ جو
اپنے اعمال سے ثابت کرے۔ کہ وہ واقعی طور پر اپنے مالک کا فرماں برادار
ہے :-

دفعہ ۱۷

چوتھے۔ وکانت من القٰنتین کا جملہ ہے۔ جو کہ ساری آیت کا خلاصہ
ہے۔ جس طرح سے دوسرا جملہ پہلے کا خلاصہ ہے اور تیسرا دوسرے
کا اسی طرح سے چوتھا تیسرے کا یا بالفاظِ دیگر ساری آیت کا خلاصہ ہے
اور اِس کا مطلب یہہ ہے۔ کہ مریمؑ پر اللہ تعالےٰ کا ایک کلام الہاماً
القا ہوا تھا۔ اور صرف اِس وجہ سے اِلقا ہوا تھا۔ کہ وہ اپنے ناموس کی حفاظت
کرتی تھی۔ لیکن جب اُسپر وہ کلام نازل ہوگیا۔ تو پھر اس نے تابعدار
بندوں کی طرح نہ صرف اُسکی کلام کی تصدیق فرمائی۔ بلکہ اُس کے
ساتھ کتبِ سابقہ کی بھی تصدیق کر دی۔ کیوں نہ ہو۔ بڑی ہی فرماں
دار بندی تھی ؛-

نوٹ

اِس ساری آیت کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں صرف ترجمہ
پر اکتفا کیا گیا ہے ؛-

اس لئے اگر ان آیات سے کسی شخص کو حضرت عیسٰے کے بلا باپ پیدا نہ ہونے کے مسئلے کی سمجھ نہ آوے۔ تو وہ گھبراوے نہیں۔ اگلی تفصیل میں سب بھید کھل جاوے گا۔ ممکن ہے کہ محض اس ترجمے سے ہی کئی زیرک لوگ اصلی بات تاڑ گئے ہوں گے۔ لیکن اگلی تفصیل سے سب کو پتہ لگ جاوے گا۔ کہ وہ تصدیق کیا تھی۔ وہ فرماں برداری کیا تھی ؛-

دفعہ ۱۸

چوتھی آیت شریفہ جو ساری بات پر روز روشن کی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ وہ پارہ ۱۶ اقال الم سورۃ مریم رکوع ۲ کی ساتویں آیت ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ فحملتہُ فانتبذت بہ مکاناقصیا ۔ اس کے معنے یہی ہیں (اس بات کو مریمؑ نے اٹھالیا۔ یا یوں کہو کہ اُس کا حمل اُسے ہوگیا۔ اور وہ حمل لیکر کہیں الگ دور کے مکان ہو بیٹھیں) وہ کیا بات تھی۔ اور اس نے کس طرح اس بات کو اٹھایا۔ اس کا ذکر سمجھنے کے لیئے ہمیں اگرچہ قرآن شریف کے متعدد مقامات کو الٹنا پلٹنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم اس جگہ مختصر طور پر لکھیں گے۔ اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والے سے تاکید کرتے ہیں کہ وہ ساری پچھلی کتاب کے تمام مضمون پر ایک نظر ڈال لیویں) - اور اگر اُن کے ذہن سے سابقہ مضمون اُتر چکا ہے۔ تو اُسے اس طرح پڑھ لیویں۔ کہ اچھی طرح یاد ہو جاوے۔ اور نہایت کم ذہن اصحاب کے حق میں بہتر ہوگا۔ کہ وہ تھوڑا تھوڑا کرکے یاد کریں۔ کئی دنوں میں مضمون پر اچھی طرح حاوی ہو لیں تب آگے شروع فرماویں۔ کیونکہ اب اسرار الٰہی کے کھلنے کا مقام ہے

اور ہمارے نمبر کی تیسری آیت کی تفصیل کا یہاں مکمل اندراج ہے۔ ہم
ناظرین کی سہولیت کے لئے اس مقام پر سورۃ مریم کے کچھ ٹکڑے کا یہاں
اندراج کرتے ہیں۔ جس میں یہ آیت شریفہ آئی ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ
مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۙ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ
غُلٰمًا زَكِيًّا ۙ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۙ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ
قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۙ

خدا کی قسم میں جب کبھی اس سورۃ شریف کو پڑھتا ہوں تو مجھے رقت
کے مارے غشی سی ہو جاتی ہے۔ اور میں تعجب کرتا ہوں۔ کہ جس قوم کے
پاس یہ سورت تھی۔ اس پر اللہ تعالےٰ کا غضب کیوں نازل ہوا۔ اور وہ
آج روئے زمین پر اخس ترین قوموں میں سے کیوں ہے:۔

ایک ہندو صاحبان ہی ہیں۔ جو ان سے اتنی نفرت کرتے ہیں
کہ کسی مسلمان کے ہاتھوں کی چھوئی ہوئی چیز کا کھانا تو درکنار اپنے پاس
رکھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔ اور کتوں کے آگے اسے ڈال دیتے
ہیں۔ اگر ان کے پانی کے گھڑے کو باہر سے ایک چھونے سے معصوم
بچے کا (جو مسلمان کا بچہ ہو) اتفاقاً ہاتھ لگ جاوے۔ تو ان کے خیال میں
وہ گھڑا سارے کا سارا ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن ولایت کے بنے ہوئے

تمام عرقیات و تنگھرات غٹاغٹ پی جاتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کے سوا دیگر اقوام سے انہیں نفرت نہیں ہے۔

بعض ایسے بھی ہیں۔ جو غیر قوموں کے ساتھ کپڑا چھونے سے فی الفور کپڑوں سمیت پانی میں نہانے کے لیئے کود پڑتے ہیں۔ خواہ کڑکڑتا جاڑا ہو۔ ایسا کرنے میں اُن کو نہ نمونیا سے ڈر۔ نہ فالج سے ہراس۔ نہ لقوے کا خوف۔ نہ رعشہ کا فکر۔ لیکن غیر قوموں کے ساتھ لباسی تماس بھی ممنوع ہے۔ اور پھر طرفہ یہ ہے۔ کہ کھانے پینے کے معاملے میں تو نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن فاحشہ زانیہ مثلاً کنچنیوں وغیرہ عورتوں کے ساتھ مقاربت کر کے سوزاک و آتشک خرید لیتے ہیں۔ اور انہیں کوئی مطعون نہیں کرتا۔ اہاہا۔ اہو ہو ہو :-

بلکہ بعض اُن میں سے نیوگ کے بھی حامی ہیں۔ اور کیا معلوم کہ نیوگن تندرست ہو۔ یا بیمار۔ کئی صاحبان ایسی عورتوں سے نیوگ کر کے بھی سوزاک و آتشک خرید لیتے ہیں۔ اور پھر بھی اس سے باز نہیں آتے

الغرض غیر قوموں کی طرف سے مسلمانوں کی کوئی عزت نہیں اور یہ بیچارے سب کی عزت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں کا پکا ہوا تو درکنار کئی بیچارے ان کا جوٹھا بھی کھا لیتے ہیں۔ اور اس بے عزتی کے علاوہ تمام جہان کی قوموں سے بڑھکر ان میں فقیروں۔ ناداروں۔ اوباشوں۔ بدمعاشوں۔ جاہلوں۔ بے کاروں۔ مسخروں۔ حاسدوں۔ غافلوں۔ کمزوروں۔ بیماروں اور بے پرواؤں کی سب سے بڑھکر کثرت ہے۔

اور عیسائی صاحبان تو پرانی عیسے پرستی کو چھوڑ کر توحید کی طرف مدت
سے آگئے ہوئے ہیں۔ جیساکہ پروٹسٹیٹ۔ پرسبی ٹیرین۔ کویکر۔ یونیٹیرین
وغیرہ کے فرقوں سے ظاہر ہے۔ بلکہ اُن کی دیکھا دیکھی ہندو صاحبان بھی
ایک حد تک اس سے متاثر ہوکر توحید کی طرف آگئے ہیں۔ جیساکہ آریہ
سماج۔ برھمو سماج...... کے مختلف فرقوں سے ظاہر ہے۔ لیکن مسلمان
لوگ توحید سے بیزار ہو ہوکر طرح طرح کی مخفی در مخفی بت پرستی۔ قبر پرستی
یا خود ساختہ پیر پرستی کی طرف آگئے ہیں۔ دیگر اقوام کے مذہبی سنٹر تو ایک
یا دو حد تین ہیں۔ اور نام کو مسلمانوں کا قدیمی مذہبی سنٹر بھی ایک ہی ہے
یعنی مکہ شریف اور مدینہ شریف صرف زیارت گاہیں ہیں تاکہ شہیدوں کے
مزار دیکھکر اُن کی شہادت کا یقین ہو۔ لیکن عملی طور پر ان کے مذہبی مرکز
ہزاروں ہیں۔ اگر عملی طور پر ان ہزاروں مرکزوں کا مجموعی مرکز بالاتفاق
مکہ شریف ہی ہو۔ تو کوئی ہرج کی بات نہیں۔ لیکن رونا تو اس بات کا
ہے۔ کہ مسلمانوں کے اُن تمام مرکزوں کا باہمی ایسا نفاق ہے۔ گویا اُن
کی کتابیں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اس بات کا لازمی
نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ مرکزی کتاب یعنی قرآن کریم کی عظمت کسی فرقے کے
دل میں بھی نہیں۔ اور اگر کسی فرقے میں قرآن کریم کی عظمت کا خیال
ہے بھی۔ تو اُس کے مطالعہ میں صرف وہی آیات ہیں۔ جن سے جلی
یا خفی طور پر اُس کے اپنے خاص فرقے کے مختص اصول اور اس کی مختص

تعلیم کا اظہار ہوتا ہو۔ گویا ایک دوسرے فرقے پر نیش زنی کرنے کے لئے اس نے وہ آیات یاد کی ہوئی ہیں۔ حالانکہ انسانی قوائے کی تربیت کے لئے سارے قرآن شریف کا مطالعہ اور عمل بہیئتِ مجموعی ضروری ہے۔ اور قرآن شریف کے بعض حصوں پر عمل کرنے اور بعض پر عمل نہ کرنے سے جو نتیجہ ملتا ہے۔ اس کا حال منکروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ بڑے زور شور سے فرماتا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے آخرت تو درکنار۔ دنیا میں ہی رسوائی ملتی ہے ملاحظہ ہو آیت ذیل۔ پارہ الم سورۃ البقر رکوعؑ آیات ذیل:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥

(تو کیا کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کرینگے۔ اس کے سوا اس کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی میں اُن کی رسوائی ہو۔ اور (آخرکار) قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں:۔

مسلمانوں کی اس زبردست غفلت کا یہ ایک لازمی نتیجہ ہوا ہے کہ اوّل اوّل اِن میں ہزاروں آدمی اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں۔ جو گناہوں کے کرنے میں گویا ایک حد تک دلیر اور بعد ازاں مجبور ہو گئے ہیں۔ اور اُن میں سے بعضے چاہتے بھی ہیں۔ کہ کاش اُنکو نیک عملوں کے بجالانے کی توفیق ملے۔ لیکن اس بات پر انہیں اقتدار نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کی تعداد

سینکڑوں تک نہیں۔ بلکہ ہزاروں تک ہے۔ ایسے ہی لوگ بیکس ہیں اور ان کی آہیں اب آسمان تک پہنچ چکی ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ آسمان پھٹ جائے؛۔

بات دور نکل گئی ہے۔ لیکن ہم اس سورۃ شریف کی تفسیر لکھنے سے پہلے اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ بعض لوگ اس روشنیٔ علم و ہنر و فضل و کمال کے زمانے میں بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بلا باپ پیدا ہونے کو فخریہ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ اور بعض صحیح مسئلے کی اشاعت کو غیر ضروری خیال فرماتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس عقیدے کے لازمی نتیجہ کو ایسے خوفناک نظارے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے بڑھکر کوئی نظارہ زیادہ خوفناک نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

(سورۃ مریم پارہ الم ۱۶ رکوع ۷ کی آیات ۶ تا آیت ۱۲)

یہ ٹکڑا بھی سورہ مریم کے آخری حصّے میں ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں ان غلط عقیدہ رکھنے والوں کو گن بھی رہا ہوں۔ اور پھر فرمایا۔ کہ ممکن ہے کہ اس غلط عقیدے کے رکھنے سے آسمان پھٹ جاوے۔ اور زمین شق ہو جائے

اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر گر پڑیں ۔

پھر تعجب ہے کہ بعض اکابرانِ مذہب کمال بے پروائی اور کمال بے باکی اور ناخدا ترسی سے یہ فرماتے چلے جاتے ہیں ۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیدائش کو بلا باپ ماننے میں ہرج ہی کیا ہے ۔ اور انہیں خبر ہی نہیں کہ اسی عقیدے کو غلط طور پر ماننے سے مسلمانوں میں تاریکی چھا گئی ہے ۔ اور ان کی الہامی کتاب کی ترویج واشاعت کا دروازہ بالکل مسدود ہو کر مسلمان غضب وادبار کے نیچے آ گئے ہیں ۔ اور اب وہم بھی نہیں گزرتا ۔ کہ آیا مسلمان کبھی اس تاریکی میں سے نکلیں گے بھی یا نہیں ۔ یا اسی میں ہلاک ہو کر دنیا کے صفحے سے معدوم ومفقود ہو جائیں گے ۔

مسلمانوں میں ہزار ہا فروعی اختلاف ہوں تو ہوں ۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں کسی کا آپس میں باہمی اختلاف ہو ۔ کیونکہ یہ وہ عقیدہ ہے ۔ جس کے معتقدوں کی گنتی کرنے کا اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر ذکر فرمایا ہے ۔ اور ان میں سے ایک ایک کی حاضری اور جواب طلبی کا (قیامت کے دن میں) یہاں ذکر ہے ۔ اور اس کے علاوہ اس غلط عقیدے کے اثر کا نظارہ ایسا خوفناک فرمایا ہے ۔ کہ اس ٹکڑے کے مضمون کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ہم اس جگہ ناظرین کی توجہ کے کھینچنے کے لئے اُن کی سہولیت کی خاطر گزشتہ آیات کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں ۔

ترجمہ :- اور بعض لوگ قائل ہیں ۔ کہ (خدا نے) رحمٰن بیٹا رکھتا ہے (اے پیغمبر اُن

سے کہو کہ یہہ) تم ایسی بڑی سخت بات (اپنی طرف سے گھڑ کر) لائے جس کی وجہ
سے عجب نہیں۔ کہ آسمان پھٹ پڑیں کہ لوگوں نے (خدائے) رحمن کے لئے بیٹا
قرار دیا۔ حالانکہ (خدائے) رحمن کو شایان ہی نہیں۔ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے
جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب ہی تو (قیامت کے دن) (خدائے)
رحمن کے آگے اس کے غلام بنکر حاضر ہوں گے۔ خدا نے انکو اپنی قدرت
کے احاطے میں گھیر رکھا ہے۔ اور اُن سب کو گن بھی رکھا ہے۔ اور یہ سب
قیامت کے دن اکیلے اکیلے اس کی حضور میں داخل ہوں گے۔ انتہٰی

اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے غلط عقیدے کا ذکر سورۃ مریم میں نہ ایک دفعہ بلکہ دو دفعہ فرمایا گیا ہے۔ ایک تو یہی ٹکڑا ہے۔ جو اوپر مع ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ اور جو سورت شریفہ کے آخری حصے میں ہے۔ اور جس کا ذکر سورۃ مریم کے تمام بیان کردہ انبیا کے تذکرے کے بعد کیا گیا ہے۔ اور دوسرا خاص حضرت مریم علیہا السلام و حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اِس دوہرے بیان سے دو باتیں صاف طور پر ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ۔ کہ اول تو یہ مسئلہ بڑا ہی ضروری اور اہم مسئلہ ہے اور دوسرے یہہ کہ آخری ذکر کا اشارہ محض حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی کی ذات پر خاص طور پر چسپاں سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ کسی اور کی ذات پر۔ جیسا کہ فرمایا۔ ذلک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون ۝ ما کان اللہ ان یتخذ من ولد سبحنہ ؕ اذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون
سورۃ مریم پارہ ۱۶ اقال الم رکوع ۲ آیات ۱۹-۲۰ ۔ جس کا ترجمہ یہہ ہے

لہ (اے پیغمبر) یہ ہے عیسیٰ ابن مریم (کی حقیقت) سچی سچی بات ،۔
جس میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ خدا کو شایان نہیں۔ کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک (ذات) ہے۔ جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے۔ تو بس اس کو اتنا ہی فرما دیتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے۔
الغرض یہ ایک ضمنی بیان تھا۔ جو اس سورت کے اس ٹکڑے کو پڑھ کر جس میں حضرت مریم علیہا السلام پر نزولِ روح ہونے کا ذکر ہے۔ دل میں رقت پیدا ہونے کی وجہ سے درج کر دیا گیا ہے۔ اگر کسی صاحب کو ناگوار گزرے۔ تو وہ خاکسار کو معاف فرماوے۔ اب میں اس ٹکڑے کی تفسیر شروع کرتا ہوں ،۔

دفعہ ۱۹

قبل اس کے کہ میں اُن آیات کا جس میں مریمؑ کا تذکرہ تفصیلی طور پر درج ہے۔ ذکر کروں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں اُن آیات کی تفسیر سناؤں۔ جس میں اِس تذکرے کو اجمالی طور پر فرمایا گیا ہے اللہ تعالےٰ کی قرآن شریف میں یہ ایک پُر اسرار اور حکمت سے بھری ہوئی سنت ہے۔ کہ وہ ایک بات کو پہلے بطورِ تمہید پھر بطورِ اجمال اور پھر بطورِ تفصیل بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ تمام کلام اللہ شریف کے ابتدا میں سورۃِ فاتحہ ہے۔ جس میں تمام اجمالی بیان ہے۔ اور پھر سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ جو کہ سورۃ فاتحہ اور ہر ایک سورت کی تمہید ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جو اُس نے اپنے کلام مقدس

میں ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہر ایک فعل میں پائی جاتی ہے۔ جس کو ہم صحیفۂ فطرت میں جوہر و عرض دونوں میں نہایت وضاحت و صراحت سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً مادی چیزوں کے فعل بالیدگی کو دیکھو۔ (ایک بڑے درخت کو لو) کہ اِس وقت اُس میں کس طرح تنا۔ اور ٹہنیاں۔ شاخیں پتے۔ پھول پھل وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن کیا یہ سب چیزیں اُس میں ابتدا ہی سے اِسی ہیئتِ موجودہ میں موجود تھیں نہیں ہرگز نہیں) بلکہ ابتدا میں یہ ایک چھوٹا سا بیج تھا۔ جو زمین میں پیوست ہو کر دو حصوں اور دو سے چار حصوں وغیرہ میں پھٹتا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا۔ کہ اس میں ایک نرم پتلا لپٹا لپٹایا نکل آیا۔ پھر ہوتے ہوتے اُس کی شاخیں نکلتی آئیں۔ شاخیں بڑھتے بڑھتے ایک موٹا تنا بنگیا۔ اور پھر وقت پر اس میں پھول۔ پھل بھی نکل آئے :-

ایسا ہی کسی کیفیت (عرض) کی بالیدگی کو لو۔ کہ کس طرح چھوٹا بچہ جب کلام کرنا سیکھتا ہے۔ تو حروفِ حلقی میں سے الف یا ہ کی آوازیں نکالتا ہے۔ حروفِ شفتی میں سے صرف ب یا م کی آوازیں نکالنا سیکھتا ہے۔ اور وسطی میں سے صرف چند حروف مثلاً ل۔ ر۔ د کی آوازیں نکالتا ہے۔ اور پھر جوں جوں بڑا ہوتا ہے۔ باقی حروف کی آوازیں نکالنا بھی سیکھ جاتا ہے :-

اسی طرح بچے کے معلومات کا حساب ہے۔ پہلے وہ گھر کی تمام چیزوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ پھر محلے کی چیزوں سے۔ اور

پھر سارے شہر کی چیزوں سے :-

یہی حال بچے کی زباندانی سیکھنے کا ہے۔ پہلے پہلے چند حروفِ ندا کو سیکھتا ہے۔ پھر چند اسماء اور افعال کو۔ صفات اور روابط کا استعمال اس کو بعد میں آتا ہے :-

دفعہ ۲۰

آج کل کے ماہرینِ طریقۂ تعلیم بچوں کی اِس تدریجی لیکن مجموعی بالیدگی۔ ترقی۔ نشو و نما سے غافل نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہی سنت کلام اللہ شریف میں برتی ہے۔ سب سے پہلے تمہیدی طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے جو سارے قرآن شریف کی تمہید ہے۔ پھر اِس کے بعد سورۃِ فاتحہ ہے۔ جو سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے :-

پھر سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقر ہے۔ اور جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالےٰ کی حمد کے بعد اُس کی چار صفاتِ ثبوتیہ (رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین) اور اس سے بعد اُس کے حضور میں دعا اور اُس کے پاک بندوں کی معیت اور پلید و گمراہ بندوں سے علیحدگی کا اظہار کرنے کی التجا مانگی گئی ہے۔ اِسی طرح سورتِ بقر میں اول تین رکوعوں میں اِن تینوں قسموں کے آدمیوں (منعم علیہ۔ مغضوب۔ اور ضالین) کا تھوڑا تھوڑا وضعی ذکر فرمایا ہے۔ اور پھر چوتھے رکوع میں آدم علیہ السلام کا ذکر شروع کر کے اس میں ملائکہ اور ابلیس کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ جن میں سے آدم تو منعمین میں کے گروہ کا ایک فرد

ہے ۔ ملائکہ ضالین کے فرقہ میں سے ہیں ۔ جو آدم سے برتری کا اظہار کرتے ہیں ۔ لیکن بعد ازآں سرِ تسلیم خم کر کے منعم علیہ گروہ میں سے بن جاتے ہیں ۔ اور شیطان فرقہ مغضوبین میں سے ایک فرد ہے :۔

پھر پانچویں رکوع میں بنی اسرائیل یہودیوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے ۔ جو مغضوب علیہ فرقے میں سے ہیں ۔ اور ساتھ ساتھ منعم علیہ گروہ کا بھی ذکر آتا جاتا ہے ۔

چھٹے کے شروع میں بنی اسرائیل عیسائیوں کا جو ضالین میں سے ہیں ۔ اور چھٹے کے اخیر اور ساتویں کے شروع میں یہودیوں اور عیسائیوں کے آباد اجداد کا بہیئتِ مجموعی ذکر فرماتا ہے ۔

اور پھر آٹھویں میں یہودیوں ۔ عیسائیوں صابیوں ۔ اور مومنوں کا بہیئتِ مجموعی ذکر فرماتا ہے ۔ اِس کے بعد باقی ماندہ رکوعوں میں بڑھاتے بڑھاتے خاص خاص پیغمبروں اور روح امین کا مختصر سا تذکرہ آتا جاتا ہے جو کہ منعم علیہ گروہ میں سے ہیں ۔ اور اُن کے تابعین و منکرین اور اُن کے انجاموں کا حال بھی سنا سنا کر اسلام کے تمدن کے آداب سکھاتا ہے ۔ جس میں اسلام کے تمام ارکان کا ذکر ہو جاتا ہے ۔ نماز ۔ روزے حج ۔ صدقہ ۔ زکوٰۃ ۔ احسان اور بیع ربا کے مسائل بھی تمام کے تمام اِس سورت میں بیان فرما جاتا ہے ۔ اور ہر ایک عبادت کی تہ میں حقیقت و منشائے ایزدی کو بھی بتا جاتا ہے ۔ جس کے بغیر کوئی عبادت عبادت نہیں کہلا سکتی ۔ مثلاً روزوں کے بیان میں فرماتا ہے :۔

وَلَا تَاكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ بقر رکوعؑ کی آخری آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ گویا روزوں کے احکام کی یہ ایک علت غائی ہے۔ اسی طرح اس سورت میں نماز کے بارے میں اتنا فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (رکوعؑ کی آخری آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم میں خدا کا شکر کرنے کا کثرت سے چرچا ہونا چاہیئے۔ تاکہ تمہارا ذکر بھی درگاہِ ایزدی میں ہوتا رہے۔ اور پھر حج کے بارے میں ضمنی طور پر فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط

(رکوعؑ کی دوسری آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حج کے ساتھ غریب لوگ تجارت کے ذریعے سے روپیہ کما سکتے ہیں۔ اور پھر فرمایا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(رکوعؑ کی ساتویں یعنی درمیانی آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حج سے تم کو تقویٰ کا سبق لینا چاہیئے۔ اور روزِ قیامت کے حشر پر ایمان لانا چاہئیے جیساکہ تم حج کے روز یہاں لوگوں کا ہجوم اور نفسی نفسی کا شور دیکھتے اور سنتے ہو۔ اور پھر اِسی مضمون کو رکوع کے آخر میں دہرایا۔ (وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ) سب کاموں کا انتہا اللہ پر ہی ہے:۔

دفعہ ۲۱

پھر تمام ظاہری عبادات کا خلاصہ آگے چل کر یوں فرمایا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ رسم پرستی کے طور پر شریعت کے احکام نہ بجالاؤ۔ بلکہ خدا پر ایمان رکھو۔ اور اس کی محبت میں خدا کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف اور زیادہ تر رحم و احسان کے ساتھ گزارہ کرو۔ اور مصائب کے آتے وقت خداوند سے پیار کرنا نہ چھوڑدو۔ بلکہ بدستور اُس کے احکام بجالاؤ۔ اور ایسے ہی لوگ متقی کہلانے کے مستحق ہیں۔ (سورۃ بقر پارہ ۲ رکوع ۶ کی پہلی آیت)

اور پھر اسی سورت شریف میں بھی مسئلہ زیر بحث کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا:-

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ٥ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥

پارہ اوّل الم سورۃ بقر رکوع ۱۴ کی چوتھی و پانچویں آیات

دفعہ ۲۲

گویا جس طرح سورہ فاتحہ سارے قرآن شریف کا لب لباب ہے۔ اسی طرح سورۃ بقر بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کا

خلاصہ ہے۔ اور دونوں میں خدا کا ولد (بیٹا) ماننے والوں سے اجتناب کی ہدایت ہے۔ ہاں سورۂ بقر میں تو صاف لکھا ہوا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ میں اجمال کے ساتھ ایسے لوگوں کو ضالین کا خطاب دیکر ان سے اجتناب کی دعا مانگنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) اور پھر جس طرح سورۂ بقر میں بہیئتِ مجموعی قرآن کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے اسی طرح باقی تمام سورتوں میں قرآن شریف کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ تیسری سورۂ آل عمران میں بھی تقریباً وہی حالات مذکور ہیں۔ جو سورۂ بقر میں ہیں۔ صرف اتنا امتیاز ہے۔ کہ سورۂ بقر میں یہودیوں کا ذکر زیادہ ہے۔ اور سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کا۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث کی تفصیل سورۂ آل عمران میں بہت زیادہ ہے۔ اور یہ وہی بیان ہے۔ جس کو ہم نے لکھا ہے۔ کہ سورۂ مریم کے ٹکڑے کا اجمالی بیان ہے۔ اور جس کی تشریح ہم سورۂ مریم کے ٹکڑے کی تشریح سے پہلے کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِينَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِينَ ○ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ○ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِى وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○

دفعہ ۲۳

اور پھر جن اصولوں کے مطابق اللہ تعالےٰ اس ذکر کو مومنوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ اگرچہ کئی ہیں۔ اور ان سب کا ذکر اسی سورت شریف کے عین شروع میں ہی کیا گیا ہے۔ اور جن کے سننے سے مشتاقانِ کلام الٰہی کو وجد پر وجد آتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:۔

هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(سورۃ ال عمران رکوع اول کی پانچویں آیت)

جس کے تذکرے سے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدنی (مدینہ کی) زندگی کو جس میں آپ ایک زبردست جہاد کے لئے تیار کئے جا رہے تھے۔ ایک اُس بچے سے مشابہت دی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے ایک رحم میں پرورش پا رہا ہے۔ اور جس کی کامیابی کا وعدہ اللہ تعالےٰ اپنی صفات (عزیز حکیم) سے ظاہر فرما رہا ہے۔ (عزیز غالب کے معنے رکھتا ہے) اور پھر آگے چل کر تمثیلی طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادتوں کا ذکر اس غرض سے فرماتا ہے۔ تاکہ پیغمبرِ خدا کو تسلی ہو۔ کہ جسطرح حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے گھروں میں باوجود ناامیدی کے اولاد ہو گئی۔ اور وہ اپنی اپنی مرادوں میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح پیغمبرِ خدا بھی ایک نہ ایک دن کفارِ مکہ پر غالب آکر کامیاب ہو جائیگا۔ اللہ تعالےٰ اس تسلی کا ذکر یوں فرماتا ہے ا اور جو کہ ہماری بیان کردہ آیات کی تسیری

آیت ہے)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ۝

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے پیغمبر یہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے پہنچاتے ہیں (ط) اور اے پیغمبر سُن نہ تو تم اُس وقت اُن کے پاس (دعویداران سرپرستیٔ مریم کے پاس) موجود تھے۔ جب کہ وہ لوگ اپنے قلم ندی میں ڈال رہے تھے۔ کہ کون ہے جو مریم کا سرپرست بنے۔ اور نہ تم اُس وقت اُن کے پاس موجود تھے۔ جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ انتہیٰ

دفعہ ۲۴

اس جگہ بعض لوگوں کو دھوکا لگا ہُوا ہے۔ کہ گویا خدا تعالےٰ حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے موردِ وحی بنانے کا یہہ ایک ثبوت دینا چاہتا ہے۔ کہ چونکہ محمدؐ صاحب کے دہانِ مبارک سے لوگ سابقہ نبیوں کے اذکار سنتے ہیں۔ حالانکہ حضرت محمدؐ صاحب اُمّی ہیں۔ اس لئے ثابت ہُوا۔ کہ حضرت موردِ وحیٔ الٰہی ہیں جو غیب کی خبریں سناتے ہیں۔ یہہ ثبوت مومنوں کے لئے باعثِ خوشنودی ہو۔ تو ہو۔ لیکن موجودہ زمانے کے معترضین کی تسلی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کئی عیسائی صاحبان نے اپنی مختلف کتابوں میں اس اَمر کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور اس کا اظہار بڑے فخر سے کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں "کہ مسلمانوں

کا علم کلام کیسا کچا علم ہے۔ بھلا کہیں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جس کے قرب وجوار میں عیسائی رہتے ہوں۔ یہودی رہتے ہوں۔ اُس کے رشتہ دار توریت اور انجیل کے فاضل ہوں۔ اور نہ صرف اصلی انجیلوں کا اُسے علم ہو۔ بلکہ جعلی انجیلوں کا بھی اور اُن کی مختلف تفسیروں اور روایتوں بھی اُس کو علم ہو۔ اور وہ توریت اور انجیل کے فضائل و اذکار کو سنتا بھی ہو۔ اور اُس کے کان بھی ہوں (گو پڑھنے والی آنکھیں نہ ہوں) اور پھر انجیلی یا توریتی ذکر کے اندراج یا تذکرے کے ساتھ ہی منادی کرا رہا ہو۔ کہ دیکھو۔ حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کی باتیں میں تم کو سنا رہا ہوں۔ اور میں اُن کے زمانے میں اُن کے درمیان موجود نہ تھا۔ پس ایمان لاؤ۔ کہ میں صاحبِ وحی ہوں"۔

کیا نرا اِس بات کے تذکرے سے وہ شخص اپنے آپ کو صاحبِ وحی کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ اور کیا اِس بات کو اپنے صاحبِ وحی ہونے کے ثبوت میں پیش کر سکتا ہے۔ جس حال میں کہ ممکن ہے۔ کہ اُس نے گرد نواح سے یہ خبریں سن لی ہوں؛

دفعہ ۲۵

یہہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن کامل طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کلام اللہ شریف میں بعض واقعات ایسے بھی درج ہیں۔ جن کا سراغ پرانی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ صرف اصلی اور صحیح کتابوں میں ہی نہیں ملتا۔ بلکہ توریت و انجیل شریف کے جعلی

صحیفوں میں بھی اُن کا پتہ نہیں ملتا۔ اور صرف جعلی صحیفوں میں ہی نہیں ملتا۔ بلکہ قدیم روایتوں میں جو زبان زدِ خلائق ہوا کرتی ہیں۔ اُن میں بھی نہیں ملتا۔ اِس لئے اِس پہلو سے پُرانے قصّے بھی ایک حد تک پیغمبر صاحب حضرت محمدؐ صاحب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے بمنزلہ غیب کے تھے۔ گو من کل الوجوہ غیب نہ مانے جا سکیں۔ بہرحال یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن ہم اُن اعتراض اٹھانے والے عیسائی صاحبان کی خدمت میں با دب گزارش کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ گو اس طرزِ استدلال کا بھی ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس پر انحصار نہیں رکھنا چاہتا۔ اور اسی لئے ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ کے ٹکڑے کے بعد آیت کے اندر ہی وقفہ ہے۔ جس بات پر اور جس طرزِ استدلال پر اللہ تعالےٰ انحصار رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو اُس کا اصلی مقصود ہے وہ تمثیلی پیشینگوئی ہے۔ اور وہ یہہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ گویا تمثیلی طور پر سمجھا رہا ہے۔ کہ اے محمدؐ اِس وقت تو مدینے میں تو عاجز اور درماندہ ہے۔ لیکن عنقریب تو مکۂ شریف پر قابض ہوگا۔ اور ملکِ عرب میں سے بت پرستی دور کرے گا۔ اور نہ صرف ملکِ عرب سے بلکہ تمام دنیا میں سے بت پرستی ہٹانے کا اصلی اور ابتدائی پہلوان تو ہی کہلائے گا۔ اور یہ خوشخبری قبل از وقت تیرے لئے ایک غیب بات ہے۔ کیا معترض صاحب کو پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ وحی ہونے میں اب بھی شک ہے۔ کیا آج کے دن تک مختلف قوموں میں

سے بت پرستی کا استیصال نہیں ہو رہا ہے۔ کیا حضرت محمدؐ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ پر غلبہ حاصل نہ ہوا۔ کیا وہاں کے بت توڑے نہ گئے۔ اور کیا اُس کی عین حیات میں عرب کا بہت سا حصہ بت پرستی سے پاک نہ ہو گیا۔ اور کیا اس کے خلفائے راشدین کے وقت میں خدائی مشن بلند ہو گیا۔ کیا غیر قوموں اور غیر مذہبوں میں خود بخود بت پرستی دور کرنے کی کوششیں پیدا نہ ہو گئیں۔ کیا عیسائی صاحبان کی زبردست مذہبی اصلاح Reformation اسلام کے ظہور سے پیشتر وقوع میں آئی تھی۔ یا بعد میں۔ کیا عیسوی مذہب ظہورِ اسلام کے وقت میں بھی اسی ترقی اور پاکیزگی پر تھا۔ جس پر کہ اب ہے۔ اور کیا مذہبِ عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصویروں کی پوجا نہیں ہوتی تھی۔ اور کیا گناہوں کے معاف کرنے۔ بہشت و دوزخ کے دروازوں کے کھولنے کا ٹھیکہ دار ہونے کا حقدار پوپ کو نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ماننا پڑے گا۔ یہ سب کچھ اسلام کی برکت سے ہوا تھا۔ خواہ براہِ راست خواہ ضمنی طور پر اسلام کی برکت ہی سے فیضیاب ہو کر پروٹسٹنٹ عیسائی صاحبان نے پوپ کی غلامی کے جوئے کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا۔ اور ہزاروں ہزار عیسائی صاحبان صاف صاف اس کے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے تھے۔ اور خود اپنے لئے حق کی تلاش کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ الغرض اسلام

ہی نے ضمنی طور پر عیسائی صاحبان میں ایک زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ اور آج اُن کا مذہب اپنے انتہائی مدارج کو پہنچ چکا ہے اور اِس بات کا اظہار کرنا نامناسب نہیں ہے۔ کہ فی زماننا جو شائستگی عیسائی مذہب میں پائی جاتی ہے۔ اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی اور آج لوگ عیسائی مذہب کی دیکھا دیکھی خود بخود شائستگی کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام روئے زمین پر عیسائی صاحبان کے موجودہ پاکیزہ مذہب کی پاکیزگی کا اثر پڑ رہا ہے۔ اور لوگ توحید کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن عیسائی صاحبان کی مذہبی پاکیزگی کا اصل محرک و مبدا وہی قران شریف کی ابتدائی تعلیم ہے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے جمالی اور جلالی دونوں رنگوں میں اوّل اوّل کفارِ مکہ کے سامنے حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے مُبارک وجود کی معرفت پیش فرمایا۔ اور پھر عربوں کی معرفت تمام دنیا میں پھیلایا:۔

دفعہ ۲۶

الغرض تمام قرآن شریف میں (حضرت محمدؐ صاحب کو تمام انبیا کا بروز ٹھہراکر) ہر ایک نبی کا اُسی قدر حال وحی کے ذریعے سے بتلایا ہے۔ جس قدر حصہ حضرت محمدؐ صاحب کی بقیہ زندگی میں بطور تمثیل اور مثال کے پیش کیا جا سکے۔ اور جو تمثیل کے رنگ میں حضرت محمدؐ صاحب کی اوائلِ زندگی میں پیشنگوئی ٹھہر کر بطور ایک غیب کے ہو۔ پس یہ

غیب حضرت محمدؐ صاحب کے لئے نہ صرف غیب ماضیہ ہے بلکہ غیب مستقبلہ بھی ہے۔ ہم اس جگہ اُن تمثیلی پیشینگوئیوں کا تفصیل کے ساتھ تو ذکر نہیں کر سکتے۔ لیکن نمونے کے طور پر تین پیشینگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں

اوّل سورتِ یوسف ساری کی ساری پیشینگوئی ہے۔ جس کے ابتدا میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :-

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قف اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ق وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

پارہ ۱۲ سورۃ یوسف رکوعؑ کی پہلی تین آیات۔ جن کا ترجمہ یہ ہے الرٰ۔ یہہ سورت کتاب واضح کی چند آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو زبان عربی میں اس لئے اتارا ہے۔ تاکہ تم (اے دنیا کے تمام لوگو) اسے سمجھ سکو (اس میں عربی کی فصاحت اور قادر الکلامی اور بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جس بات کو دوسری زبانیں ادا نہیں کرسکتیں عربی اسے کرسکتی ہے) وحی کے ذریعے سے یہ سورت بھیجکر تم کو اچھی طرح ایک بیان سناتے ہیں۔ حالانکہ اے پیغمبر اس سے پہلے تم یقیناً غافل تھے :-

اور پھر آخر میں چل کر فرمایا :-

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ۝

ایک وقت تھا۔ کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا اے ابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو (خواب میں) دیکھا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ یہہ سب مجھکو سجدہ کر رہے ہیں۔ اور پھر آخر میں چل کر فرمایا۔ جب کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ سے ہار کر معافی مانگی

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

حضرت یوسفؑ نے کہا اب تم پر کچھہ الزام نہیں میں نے معاف کیا۔ اور خدا بھی تمہارے قصور معاف کرے۔ اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے :۔

اور پھر جب اس کے سب بھائی اور ماں باپ تعظیماً سجدے میں گر پڑے۔ تو حضرت یوسف نے فرمایا :۔

وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○

اور یوسفؑ نے اپنے خواب کو یاد کر کے اپنے والد سے عرض کیا۔ کہ ابا جان وہ جو میں نے پہلے خواب دیکھا تھا۔ یہہ اس کی تعبیر ہے۔ میرے پروردگار نے آج اس خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور اس کے سوا اس نے مجھ پر اور بھی بڑے بڑے احسان کئے ہیں۔ کہ مجھکو آپ قید خانے سے نکالا۔ اور

باوجودیکہ مجھ میں اور میرے بھائیوں میں شیطان نے ایک طرح کا
فساد ڈلوایا تھا۔ اس کے بعد باہر سے تم سب کو مجھ سے لا ملایا۔ بے شک
میرے پروردگار کو جو کچھ کرنا منظور ہوتا ہے۔ وہ اس کی تدبیر خوب
جانتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک بات سے واقف اور حکمت والا ہے۔ پھر حضرت
یوسف علیہ السلام نے دعا کی۔ کہ اے میرے پروردگار تو نے اپنی
مہربانی سے مجھکو حکومت میں سے بھی حصّہ دیا۔ اور مجھکو خوابوں کی
تعبیر کرنی بھی سکھائی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا
اور آخرت دونوں میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ تو اب مجھکو اپنی فرماں
برداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھائے۔ اور مجھکو نیک بندوں میں
لے جا داخل کر:۔

اور پھر ساتھ ہی فرمایا:۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ
وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ

یہ آخری آیات لفظاً و معناً اُسی قسم کی آیات ہیں۔ جو سورۃ آلِ
عمران میں اللہ تعالےٰ نے ولادتِ مسیح علیہ السلام و ولادتِ یحییٰ علیہ
السلام کے بیان کرنے کے ضمن میں سرورِ کائنات جناب محمدؐ صاحب کو بطور
تمثیلی پیشینگوئی کے غیب کے لفظ سے تعبیر کر کے فرمائی ہیں۔ چنانچہ
حضرت محمدؐ صاحب پر جب یہ سورت شریف اتری تھی۔ تو آپ بالکل
بیکسی کے عالم میں تھے۔ اور ابھی مکے شریف میں ہی تھے۔ کہ آپ نے

کفار کے سامنے اپنی مشابہت یوسفؑ کے ساتھ بیان بھی کردی۔ اور بتلادیا کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسفؑ کو اُس کے بھائیوں پر غلبہ بخشا اسی طرح اللہ تعالےٰ مجھے بھی۔ (اے کفارِ مکہ) تم پر غلبہ بخشے گا۔ اور جس طرح اس کو حکومت پر سرفراز فرمایا۔ اسی طرح مجھے بھی حکومت دے گا۔ اور نہ صرف حکومت دے گا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ آپ کو ایک عظیم خلق والا آدمی بھی بنائے گا:۔

چنانچہ یہ پیشنگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ کفار کے ڈر سے پہلے تو وہ مدینے کی طرف بھاگ گئے۔ اور رستے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جو تین دن کنوئیں میں رہے تھے۔ حضرت محمد صاحب بھی غار ثور میں تین دن رہے تھے۔ اور آخرکار اُنہوں نے مکہ حاصل کرکے اپنے تمام برادری کے بھائیوں پر (یعنی کفارِ مکہ پر) غلبہ حاصل کرلیا۔ اور پھر آپ نے سب لوگوں کے وہ قصور معاف کردیئے۔ جو فتح مکہ سے قبل لوگوں نے کچھ تو مدینے میں جاکر آپ کو تکلیفیں دی تھیں۔ اور کچھ اوائل ایام میں یعنی ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں ہی آپ کو اُن کے ہاتھوں سے اذیتیں پہنچی تھیں۔ اور اس موقع پر آپ نے ٹھیک وُہی آیات پڑھیں۔ جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کرتے وقت پڑھی تھیں:۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

دفعہ ۲۷

دوسری پیشنگوئی جو بڑی صفائی سے تمثیلی پیشنگوئی ہونے کا دعویٰ

کرتی ہے۔ وہ سورۂ ہود کی اندازی پیشینگوئی ہے۔ جس کو حضرت نوح علیہ السلام کا سارا قصہ اور اس کی قوم کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالٰے نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

(سورۃ ھود پارہ ۱۲) رکوع ۴ کی آخری آیت۔ جس کا ترجمہ یہہ ہے۔ کہ اے پیغمبر یہہ غیب کی چند خبریں ہیں۔ جن کو وحی کے ذریعے سے ہم تم کو پہنچاتے ہیں۔ اس ابات کے نازل ہونے سے پہلے نہ تو تم ہی اس بات کو جانتے تھے۔ اور نہ تمہاری قوم کے لوگ۔ پس تم صبر کرو۔ بیشک انجام کار پرہیزگاروں کی (ہی فتح) ہے:۔

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سے واقعات خود حضرت محمدؐ صاحب کی زندگی میں بھی واقع ہونیوالے تھے۔ تب ہی تو خدا نے فرمایا۔ کہ نہ تم کو یہ واقعہ یاد ہے۔ نہ تمہاری قوم کو۔ ذرا صبر کرو۔ اور سب باتیں کھل جائیں گی۔ نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی یہی بدلہ ملے گا۔ فاصبر کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے یہہ بیان نہیں کر رہا ہے۔ کہ قوم کا ہر ایک فرد اس قصے سے ناواقف ہے۔ بلکہ یہہ بیان کر رہا ہے۔ کہ قوم کا ہر ایک فرد اس بات سے محض ناواقف ہے۔ کہ یہاں بھی عنقریب وہی رنگ جمنے والا ہے۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میں جما تھا۔ اور پھر اللہ تعالٰی

گا یہ بھی منشا ہے۔ کہ جس طرح کافروں کو دنیا میں عذاب ملنے والا ہے۔ اور مومنوں کو باغات ونہریں ملنے والی ہیں۔ اسی طرح قیامت میں بھی کافروں کو عذاب ہوگا۔ اور مومنوں کو باغات اور نہریں ملیں گی۔ پس قیامت کا آنا حق ہے۔

دفعہ ۲۸

ہم نے نمونے کے طور پر اس جگہ صرف دو پیشینگوئیوں کا ذکر کیا ہے تیسری کا بیان ایک خاص موقعہ پر کیا جائے گا (دیکھو دفعہ ۳۳ کا آخری حصہ) اور اگر زیادہ تفصیل سے لکھا جاوے اور غور سے دیکھا جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ کلام اللہ شریف کی تمام آیات میں یہی انداز ہے۔ اور جابجا اُن میں پیغمبر خدا کی کامیابی اور کفار پر غلبہ حاصل کرنے کی قبل از وقت پیشینگوئیاں درج کی گئی ہیں۔ اور اس ضمن میں اُن تمام ضروری مسائل کا بھی ذکر ہے جو جنگ کرنے کی اثناء میں اور فتح حاصل کرنے کے بعد پیش آسکتے ہیں اور یہ مسائل بھی سب کے سب قبل از وقت بتائے گئے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ ایک بڑا زبردست معجزہ ہے۔ جس کو گواہی کے طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا اور مثال کے طور پر اُن کو یہ معجزہ قیامت کے عذاب وثواب کا قائل کرا گیا۔ اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ جس قدر کامیابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ہوئی۔ اتنی کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ کافر لوگ جب مسلمان ہوتے تھے۔ تو بے ساختہ بول اُٹھتے تھے:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود

نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمدؐ اسی خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ یعنی وہ مجبوری کی وجہ سے ایماں نہیں لاتے تھے۔ بلکہ گواہی کے طور پر وہ اپنا مسلمان ہونا ظاہر فرماتے تھے۔

اور اِس کے علاوہ اسی بات یعنی اعجازی پیشینگوئیوں کا گواہ ہونے کی طفیل تقریباً تمام ملکِ عرب بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا

دفعہ ۲۹

آجکل غیر قوم کے لوگ خصوصاً عیسائی صاحبان قرآن کریم کی اس فضیلت کے اور اِس معجزے کے قایل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ الٹا قرآن شریف کی تعلیم پر ہی اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں جہاد کی تعلیم ہی کیوں ہے۔ اِس اعتراض سے اُن کی یہ غرض نہیں ہے۔ کہ وہ گویا نفسِ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک نہ ایک رنگ میں جہاد تو سب قوموں میں ہوتا آیا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی پاک کلام میں بھی فرمایا ہے۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﵿ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

(پارہ تلک الرسل سورۃ البقر رکوع ۳۳ کی تیسری آیت۔ جس ترجمہ یہ ہے پھران لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو بھگا دیا۔ اور جالوت کو داؤدؑ نے قتل کیا۔ اور اُس کو خدا نے سلطنت دی اور عقل (انتظامی) عطا فرمائی۔ اور جو علم و ہنر اس کی مرضی میں آیا اُس کو سکھلایا۔ اور اگر

اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کو ہٹاتا نہ رہے۔ تو ملک میں فساد پڑ جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ دنیا جہان کے لوگوں پر بڑا مہربان ہے) مخالف لوگ بھی اِس کی عدم ضرورت کے حامی نہیں ہیں۔ موقع بہ موقع سب لوگ اس کو برتتے ہیں یا برتنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور عیسائی صاحبان اِس بات کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف نے مندرجہ بالا قصے سے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ عہدِ عتیق میں اکثر پیغمبروں نے جہاد بھی کئے۔ اور ضرورتِ حقہٖ کی بنا پر کئے۔ لیکن عیسائی صاحبان کے اعتراضوں کا مدعا یہہ ہے۔ کہ جہاد تو انتظام ملک کی حفاظت کے لئے ایک ہتھیار ہے۔ اور اس کو سب لوگ خود بخود خدا کی تلقین کے بغیر ہی ضرورت کے موقع پر استعمال کر لیا کرتے ہیں۔ اگر محمدؐ صاحب نے اُن لوگوں کے ساتھ جہاد کر کے اُن پر غلبہ حاصل کر بھی لیا۔ اور پیش از وقت ہی (تمثیلی رنگ میں یا مقصودی رنگ میں) کفار کے روبرو پیش کرنے کے باوجود اُن پر غلبہ بھی پالیا۔ تو اس سے آپ کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دنیا کے تمام نامور فاتحوں نے نہ صرف طرح طرح کے حیلوں سے فتوحاتِ عظیمہ حاصل کی ہیں۔ بلکہ کئی ایک نے قبل از وقت محض قیاس کی بنا پر اپنی فتوحات کی پیشینگوئیاں بھی کی ہیں۔ اور دلیری ترہانے کے لحاظ سے انہوں نے ایسا کیا ہے۔ گویا پیشینگوئی کرنا بھی ایک قسم کا فتح حاصل کرنے کا گُر ہے۔ اور یہ بھی ایک حکمتِ عملی اور پالیسی ہے۔ اور اِن میں

سے کئی صاحبدل نامور بزرگوں نے اُن لڑائیوں میں اعلےٰ درجے کے اخلاقی جوہر بھی دکھائے ہیں۔ جیساکہ محمدؐ صاحب کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ کہ اُن کے جہاد میں تمام لڑائیاں اندفاعی تھیں۔ یعنی مدافعت کے طور پر تھیں نہ کہ مزاحمت کے طور پر اور اُن کے جہاد میں عورتوں بچوں۔ بیماروں۔ کمزوروں۔ نامردوں بوڑھوں اور ناداروں کو امان ملتی تھی۔ اور مفتوح دشمن پر مہربانی کی جاتی تھی۔ لیکن وہ (یہ کہتے ہیں کہ) اِن تمام باتوں کے باوجود بھی آپ کا نبی اور من جانب اللہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اِس بارے میں عیسائی صاحبان یہہ بھی کہتے ہیں۔ کہ مسلمان لوگ جو کفار پر حضرت محمدؐ صاحب کا غلبہ حاصل کرنے کی بنا پر حضرت محمدؐ صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مثیلِ موسیٰ ٹھیراکر آپکو اس پیشینگوئی کا مورد بناتے ہیں جس میں لکھا ہے "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھرلو" (استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵) اور پھر ساتھ ہی آگے چلکر فرمایا " اور خداوند نے مجھے کہاکہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُن سے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہے گا۔ نہ سنے گا۔ تو میں اُس کا حساب اس سے لونگا۔"

(استثنا باب ۱۸ آیات ۱۸ و ۱۹) اس کے مطابق بھی جو صاف طور پر
حضرت محمدؐ صاحب پر ہی چسپاں ہوتی نظر آتی ہے۔ حضرت محمدؐ صاحب مثیل موسیٰ
نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون پر فتح پائی تھی۔ وہ جہاد کے رنگ
میں نہ پائی تھی۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگ گئے تھے۔
ہاں خدا تعالیٰ نے آپ اپنے جلال سے فرعون اور اس کی امت کو دریا
میں غرق کر دیا تھا۔ پس حضرت محمدؐ صاحب صرف اس صورت میں مثیل موسیٰ
ہو سکتے تھے۔ جبکہ وہ جہاد کے لئے تلوار نہ اٹھاتے۔ پس آپ کا تلوار
اٹھانا کسی گزشتہ پیشینگوئی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ الحرب کے طریقوں
میں سے ایک طریقہ ہے۔ اور جس کو تمام بادشاہ لوگ برتا کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اس کے شافی جوابات لکھتے ہیں :۔

دفعہ ۳ جواب اوّل

سو واضح ہو کہ توریت شریف میں اور انجیل شریف میں ایک
بڑی زبردست پیشینگوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے
نبی کو بھیجے گا۔ جو اگر نہ صرف تلوار اٹھائے گا۔ بلکہ تلوار کے ذریعہ وہ باطل
کو ذبح کرنے میں کامیاب بھی ہوگا۔ یہ پیشینگوئی آج کے دن تک اناجیل
میں بھی بڑے زور شور سے درج ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

پھر وہ لوگوں کو یہہ تمثیل کہنے لگا۔ ایک گھر کا مالک تھا۔ جس نے
انگور کا باغ لگایا۔ اور اس کے چاروں طرف احاطہ باندھا۔ اس میں
حوض کھودا۔ اور برج بنایا۔ اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دیکر پردیس

چلاگیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا۔ تو اس نے نوکر کو بھیجا۔ تاکہ وہ باغبانوں سے پھل میں سے کچھ لے آوے۔ پر انہوں نے اُسے پکڑ کر پیٹا۔ اور خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ اور پھر اُس نے ایک نوکر کو اُن کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے اُسے سنگسار کرکے اُس کا سر پھوڑا۔ اور اسے بیعزت کرکے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ پھر اُس نے تیسرے کو بھیجا۔ پر اُنہوں نے اُس کو بھی گھائل کرکے نکال دیا۔ اور پھر ایک نوکر کو بھیجا۔ اور انہوں نے اُسے مار ڈالا۔ اور بہت سے اَوروں کو بھیجا۔ اِن میں سے بعضوں کو پیٹا اور بعضوں کو مار ڈالا۔ تب باغ کے مالک نے کہا کیا کروں۔ میں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجوں گا۔ شاید اُسے دیکھکر دب جائیں۔ پھر باغبانوں نے اسے دیکھکر آپس میں صلاح کی یہی وارث ہے۔ آؤ اِسے مار ڈالیں۔ تو میراث ہماری ہوگی۔ سو اُسے پکڑ کے اور باغ کے باہر نکال کر قتل کیا۔ پس جب باغ کا مالک آویگا۔ تو باغبانوں سے کیا کرے گا۔ وے اُسے بولے ان شریروں کو بری طرح ہلاک کریگا۔ اور باغ اور باغبانوں کے سپرد کرے گا۔ جو اُس کو پھل ان کے موسموں میں دینگے۔ یسوع نے اُنہیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا۔ کہ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کا سرا ہوا یہہ خداوند سے ہوا۔ اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔ ہر ایک جو اِس پتھر پہ گرے گا۔ چور چور ہو جاوے گا۔ اور جس پر وہ گرے۔ اُسے پیس ڈالے گا۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائیگی۔ اور ایک قوم کو جو اُس کے پھل لا دے

دیجاویگی۔ انہوں نے یہ سن کے کہا۔ ایسا نہ ہووے۔ اور جب سردار کاہنون اور فریسیوں نے یہ تمثیلیں سنیں۔ تو سمجھ گئے۔ کہ ہمارے ہی حق میں یہ کہتا ہے۔ اور اُس کے پکڑنے کا قصد کیا۔ پر لوگوں سے ڈرے۔ کیونکہ وہ اُسے نبی جانتے تھے (متی باب ۲۱ آیات ۳۳ تا ۴۶۔ مرقس باب ۱۲ آیت ۱ تا ۱۲ لوقا باب ۲۰ آیات ۹ تا ۱۹)

دفعہ ۱۳

۱۔ اِس زبردست پیشینگوئی نما تمثیل سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنے آپ سے پہلے آنے والے انبیا کو گھر کے مالک کے نوکروں سے تشبیہہ دی ہے۔ جن میں سے بہت سے ناکام پھر گئے۔ اور بہت سے نہ صرف قتل ہوئے۔ بلکہ بہت نے دکھ سہے۔ اور اپنے آپ کو مالک کے بیٹے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ بیٹے کو بھی لوگ اپنی طرف سے قتل کر دینگے۔ تب خدا تعالےٰ جو گھر کا مالک ہے۔ وہ آپ دنیا میں تشریف فرما ہوگا اب مالک کی مشابہت کی تعیین کرنا ہمارے ناظرین کی سمجھ پر موقوف ہے۔ !!!۔ !!!۔ !!!

بعض عیسائی صاحبان گھر کے مالک کے آنے کی پیشینگوئی کو بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم اُن عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا حضرت عیسٰے علیہ السلام نے کبھی تلوار کا استعمال کیا بھی تھا۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ صلیب کے موقع

پر آپ نے اپنے شاگردوں کو تاکید کی تھی۔ کہ تلواریں خریدیں۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ (لوقا باب ۲۲ آیات ۳۶ و ۳۷) اُس نے (حضرت مسیح علیہ السلام نے) اُن سے (شاگردوں سے) کہا۔ مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو۔ وہ اسے لے۔ اور ایسے ہی جھولی بھی۔ اور جس کے پاس نہ ہو۔ وہ اپنی پوشاک بیچکر تلوار خریدے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ یہہ جو لکھا ہے۔ کہ وہ بدکاروں میں سے گنا گیا۔ (یسعیاہ ۵۳-۱۲) اِس کا میرے حق میں پورا ہونا ضرور ہے۔ اِس لئے کہ جو کچھ مجھ سے نسبت رکھتا ہے۔ وہ پورا ہونا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اے خداوند۔ دیکھ۔ یہاں دو تلواریں ہیں۔ اُس نے اُن سے کہا۔ بہت ہیں۔ انتہیٰ۔

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا آپ نے تلوار کا استعمال کبھی کیا بھی تھا۔ جواب یہی ملے گا۔ ہرگز نہیں۔ اس بات کا بڑا ثبوت کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تلوار کے استعمال سے منع کر دیا۔ حالانکہ وہ شاگرد تلوار چلانے کے بڑے خواہشمند تھے۔ [illegible] ہے۔ کہ واقعۂ صلیب کے وقت یعنی جب آپ کو یہودیوں نے گرفتار [illegible] اور آپ کو صلیب دینے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ تو شاگرد [illegible] نے تلوار چلانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکم طلب کیا۔ تو آپ نے اُن کو منع کر دیا۔ جیسا کہ لکھا ہے جب اس کے ساتھیوں نے وہ جو ہونے والا تھا۔ دیکھا تو اسے کہا۔ اے خداوند کیا ہم تلوار چلا دیں۔ تب شمعون پطرس نے تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی۔ اور سردار کاہن کے نوکر پر چلائی

اور اُس کا دھنا کان اُڑا دیا۔ اور اس نوکر کا نام ملکوس تھا۔ پر یسوع نے کہا۔ یہاں تک رہنے دو۔ اور اس کے کان کو چھو کر اُسے چنگا کیا۔ تب یسوع نے پطرس سے کہا۔ اپنی تلوار میان میں کر۔ کیونکہ سب جو تلوار کھینچتے ہیں۔ تلوار ہی سے ہلاک کئے جائیں گے۔ یا کیا تو نہیں جانتا۔ کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا اور وہ فرشتوں کی بارہ فوجوں سے زیادہ میرے پاس حاضر کر دے گا۔ پر نوشتے کیوں کر پورے ہوتے۔ کیونکہ یوہیں ہونا ضرور ہے۔ کیا وہ پیالہ جو باپ نے مجھ کو دیا نہ پیوں"۔ (متی باب ۲۶ آیات ۵۱ تا ۵۴۔ مرقس باب ۱۴ آیات ۴۷ تا ۴۸ لوقا باب ۲۲ آیات ۴۹ تا ۵۲ یوحنا باب ۱۸ آیات ۱۰ تا ۱۱)

اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ انجیل شریف کی یہہ پیشینگوئی آپ کے ہاتھ پر پوری نہ ہونے والی نہیں تھی۔ بلکہ آپ کے بعد پورے ہونے والی تھی:۔

چنانچہ کلام اللہ شریف میں بھی اِسی پیشینگوئی کی طرف اشارہ کرکے بڑے زور شور سے فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

پارہ ۱۱ سورۃ توبہ رکوع ۱۴ کی پہلی آیت جس کا ترجمہ یہہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

مومنانِ (عرب) سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس وعدے پر خرید لئے ہیں۔ کہ ان کے بدلے اُن کو جنت دے گا۔ یہہ لوگ جان و مال کی پروانہ کرکے اللہ کے رستے میں لڑتے ہیں۔ اور لڑتے ہیں تو دشمنوں کو مارتے ہیں۔ اور آپ بھی مارے جاتے ہیں۔ یہہ خدا کا پکا وعدہ ہے۔ اور یہ وعدہ توراۃ۔ اور انجیل اور قرآن سب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہوسکتا ہے۔ تو اے مومنانِ (عرب) تم اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے۔ خوشیاں مناؤ۔ اور یہ معاملہ جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے۔ اِس میں تمہاری بڑی کامیابی ہے:۔

اور پھر یہی نہیں بلکہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے حضرت محمدؐ صاحب کے وجود کو تمثیلی طور پر اپنا ہی وجود ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ انجیل کی پیشینگوئی میں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ (باغبانوں کو مالک آپ ہلاک کرے گا) اور قرآن شریف میں اِس کا ذکر یوں کیا ہے:۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ؗ

سورۃ انفال پارہ ۹ رکوعؔ کی چھٹی آیت۔ جس کا خلاصہ مطلب یہہ ہے۔ کہ اے پیغمبر تو نے جو جنگِ بدر میں تیر مارے (یا ریت کی مٹھی پھینک کر) کافروں کو ہلاک کیا ہے۔ یہ تو نے تیر نہیں مارے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے آپ مارے ہیں:۔

نوٹ:۔ انجیل شریف کی اِس تمثیل سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ

نوکروں کا بھیجنا۔ بیٹے کا بھیجنا۔ خدا کا آپ تشریف لانا یہ سب محض استعارے اور تمثیلیں ہیں۔ اور اسی قیاس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انجیل مقدس میں "خدا کا بیٹا۔ خدا کا اکلوتا بیٹا۔ خدا کا پیارا بیٹا۔ کرکے پکارے گئے ہیں۔ تو بعض استعارے کے طور پر نہ کہ حقیقی طور پر۔ اور اس کے معنے صرف "خدا کا پیارا" کے ہیں۔ نہ کہ کچھ اور۔ اور اسی قیاس پر مسلمانوں کے بعض صوفی صاحبان بھی اس دھوکے میں ہیں۔ کہ گویا سچ مچ حضرت محمد صاحب نعوذ باللہ خدا ہی تھے۔ اور وہ آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ کی تفسیر کرتے وقت احمد اور احد کو ایک سمجھنے کا وعظ فرمایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہہ بات بالکل غلط ہے اور ایسی ہی غلط ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچ مچ جسمانی یا روحانی طور پر خدا کا بیٹا سمجھنا۔ ہاں انجیل شریف میں صرف تمثیلی طور پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بیٹا[1] سمجھنے کا جواز رکھا گیا ہے:۔

اور پھر اس پیشینگوئی کی شان دیکھیئے۔ کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے بعد بھی اس کا عملدرآمد مسلمانوں میں ہوتا رہا۔ اور نہ صرف مسلمانوں میں ہوتا رہا۔ بلکہ غیر قوموں میں بھی ہوتا رہا۔ چنانچہ اول تو عیسائی صاحبان ہی میں (The Reformation) کے وقت وہ خدائی تلوار پڑتی گئی:۔

[1] ابن اللہ کی اصطلاح انجیل شریف میں محض حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ کل نیکبختوں کے لئے یہہ اصطلاح

مقرر ہے۔ اور اس اصطلاح کے اندر ایک عجیب راز ہے۔ جیساکہ انجیل شریف میں
لکھا بھی ہے "تو زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو۔ کیونکہ تمہارا ایک ہی باپ ہے۔
جو آسمان پر ہے" اور اس سے پہلے فرمایا۔ "پر تم ربی مت کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارا ایک
ہادی ہے۔ یعنی مسیح اور تم سب بھائی ہو" (متی باب ۲۳ آیات ۸ و ۹)
اس حقیقت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیٹے کی تمثیلی پیشینگوئی کا مصداق
بننے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر اہتمام تھا۔ کہ انہوں نے اپنے
کل مریدین کو بھی ابن اللہ کی اصطلاح برتنے کا حکم فرما دیا تھا۔ اور قرآن شریف
نے بھی عیسائیوں کی اس اصطلاح کا ذکر نقل کے طور پر فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف
اہل کتاب کا قول نقل بھی کرتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ
وَاَحِبَّآؤُهٗ ط پارہ ۶ رکوع ۷ کی ساتویں آیت۔ لیکن قرآن شریف نے ابن اللہ کے
اصلی معنے بھی یہاں بتا دیئے ہیں۔ جیساکہ (احباءہٗ) سے ظاہر ہے۔ یعنے
حبیب اللہ۔ اور پھر اللہ تعالٰے نے عام طور پر ابن اللہ کی اصطلاح کی تردید
یا نہی بھی بشر کے لفظ سے کر دی ہے۔ جیساکہ ساتھ ہی اسی آیت میں فرمایا
اور ساتھ ہی دلیل بھی بیان فرما دی۔ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر
ممن خلق ۔ اور اس لئے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ
مسلمانوں کو بھی اس نام نامی سے اپنے آپ کو نامزد کرنا جائز ٹھیراتا ہے۔
یا ایسا کرنیکی ترغیب دیتا ہے۔ حاشا وکلا۔ وہ تو اسی آیت شریف میں اس کی
تردید فرماتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک مقام پر بڑے زور شور سے فرماتا ہے
وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ

قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ رکوع ۵ کی پہلی دو آیات۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اور یہود کہتے ہیں۔ کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ عیسےٰ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو اِن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ خدا ان کو قتل وغارت کرے۔ دیکھو تو کدھر شیطان کے بھٹکائے ہوئے بھٹکے چلے جارہے ہیں۔ اِن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مشائخوں اور مریمؑ کے بیٹے مسیح کو خدا بنا کھڑا کیا۔ حالانکہ ہمارے ہاں سے اُن کو یہی حکم دیا گیا تھا۔ کہ ایک ہی خدا کی عبادت کرتے رہنا۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ اُن کے شرک سے پاک ہے:۔

جس کو خدا تعالےٰ کی توحید منوانے کے لئے سب سے پہلے حضرت محمدؐ صاحب نے اندفاعی طور پر استعمال کیا تھا۔ اور استعمال کرنا جائز رکھا تھا عیسائی صاحبان میں از غیبی بم کے گولے کی طرح پھٹ کر خود بخود چل پڑی ۔ اور ہزارہا عیسائیوں کو اپنی آگ میں بھسم کر ڈالا۔ یعنی ہزاروں ہزار پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک کے ہاتھ سے اور ہزارہا رومن کیتھلک پروٹسٹنٹ کے ہاتھ سے محض عقیدے کی بنا پر (اور اس طرح عیسائی عیسائیوں کے ہاتھ سے) کمال بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ قتل

ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اُن کے قتل ہونے کی پیشینگوئی بھی درج ہے۔ جہاں فرمایا اللہ تعالےٰ نے قاتلھم اللّٰہ انّٰی یوفکون
شکر کا مقام ہے۔ کہ پروٹسٹینٹ عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اُن معنوں میں ابن اللہ نہیں سمجھتے۔ جن معنوں کو اُڑانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے دنیا میں حضرت محمد صاحب کو قرآن دیکر بھیجا تھا۔ پرانے زمانے کے عیسائی صاحبان حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویریں بنا کر اُن کو پوجا بھی کرتے تھے۔ خصوصاً ملکِ عرب کے عیسائی ۔

اس مقام پر بعض عیسائی صاحبان جب دیکھتے ہیں۔ کہ یہ پیشینگوئی حضرت محمدؐ صاحب کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔ تو حضرت محمدؐ صاحب کی نبوّت کا انکار کرکے اِس پیشینگوئی کے بارے میں ایک اور ہی عذر کھڑا کر دیتے ہیں۔ یعنی اس پیشینگوئی کے معنے ہی انہوں نے بدل دیئے ہیں۔ اور وہ تلوار سے مراد روحانی تلوار لیتے ہیں۔ اور اس بارے میں انجیل شریف کا وہ مقام بطورِ سند پیش کرتے ہیں۔ جہاں لکھا ہے "یہہ مت سمجھو۔ کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ اور آدمی کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے جدا کرنے آیا ہوں۔ اور آدمی کے دشمن اُس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔ جو کوئی ماں باپ کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے میرے لائق نہیں۔ اور جو کوئی بیٹے یا

بیٹی کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے. میرے لائق نہیں ہے۔ اور جو کوئی اپنی صلیب اُٹھا کے میرے پیچھے نہیں "۔ میرے لائق نہیں ہے اور جو کوئی اپنی جان کو بچاتا ہے۔ اُسے کھوئے گا. جو کوئی میرے واسطے اپنی جان کھوئے گا۔ اُسے پائے گا"...... اور کہتے ہیں۔ کہ اس جگہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے تلوار چلانے کا مطلب خود ہی سمجھا دیا ہے کہ رشتہ داروں کی عزت میں میری عزت بڑھکر کرنی چاہیئے۔ کلام اللہ شریف میں بھی ایک مقام پر ایسا ہی لکھا ہے. لیکن وہاں اس حکم کو تلوار چلانے کے الفاظ میں بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ یوں ہی بتایا گیا ہے جیساکہ فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

سورۃ التوبہ پارہ ۱۰ رکوع ۹ کی آخری دو آیات جن کا ترجمہ یہ ہے. اے مومنو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں۔ تو ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ اور جو تم میں سے ایسے باپ بھائیوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ رکھے گا. تو یہی لوگ ہیں۔ جو خدا کے نزدیک نافرمان ہیں۔ اے پیغمبر مومنوں کو سمجھا دو۔ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے

بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بی بیاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو۔ اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے۔ اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے تمکو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو۔ یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے۔ وہ (تمہارے سامنے) لا موجود کرے۔ اور اللہ اُن لوگوں کو (جو اُس کے حکم سے) سرتابی کریں۔ ہدایت نہیں دیا کرتا"۔ لیکن اس قطع تعلق کو تلوار چلانے کے برابر سمجھنا صرف انجیلی اصطلاح ہے۔ انجیل کی پیشینگوئی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پس اگر اس جگہ برسبیل تنزل تلوار کی پیشینگوئی سے محض روحانی تلوار یعنی قطعِ تعلق مراد لی جائے۔ تو اس رنگ میں بھی یہہ پیشینگوئی حضرت محمدؐ صاحب کے حق میں بھی پوری ہوئی ہے۔ پس جب کہ ایک پیشینگوئی جسمانی اور روحانی دونوں طرح پر ایک نبی یعنی (حضرت محمد صاحب) کے ہاتھ پر اور اُن کے زمانے میں پوری ہوئی۔ اور حضرت عیسےٰ کے زمانے میں بعد دقت و تاویل صرف ایک ہی رنگ میں پوری ہوئی۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہم اُس پیشینگوئی کی تاویل کرتے پھریں۔ اور اِس کو جسمانی معنوں سے بدل کر روحانی معنوں میں لے جائیں۔ ہمیں اِس سے اِنکار نہیں ہے۔ کہ روحانی طور پر یہ پیشینگوئی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی پوری ہوئی ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہہ ہے۔ کہ آیا اِس پیشینگوئی کے مقصودی معنے جسمانی تھے یا روحانی۔ اگر عیسائی صاحبان

کو جسمانی معنوں سے انکار ہے۔ تو ہم کو برائے خدا وہ یہہ بتلاویں۔ کہ ریفارمیشن
کے زمانے میں کیوں روحانی تلوار پر مدار نہ رکھا گیا۔ اور کیوں ہزارہا رومن
کتھلک راہب اور پاکباز عیسائی نئے مذہب کی خاطر بھیڑ بکریوں کی طرح
ذبح کئے گئے۔ جب عیسائیوں نے اپنے ہاں روحانی تلوار کو جسمانی تلوار
میں بدل دیا۔ تو وہ کس منہ سے ہمیں مجبور کر سکتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں منوا
دیں۔ کہ انجیل شریف کی باغبان والی پیشینگوئی سے روحانی تلوار مراد ہے
نہ کہ جسمانی۔ بعض لوگ اس مقام پر کھسیانے ہو کر فرمایا کرتے ہیں۔
کہ ریفارمیشن کی تلوار سے جو پُرانے پادری ذبح ہوئے۔ تو وہ انجیل
شریف کی اس پیشینگوئی سے ذبح ہوئے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ
"تم ماباپ اور بھائیوں۔ اور رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی
گرفتار کئے جاؤ گے۔ اور وے تم میں سے بعضوں کو مار ڈالیں گے
اور میرے نام کے سبب سے سب لوگ تم سے کینہ رکھیں گے۔"
لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو اس مقام سے تو صرف اتنا
ہی پتہ چلتا ہے۔ کہ غیر عیسائی لوگ عیسائیوں کو دُکھ دینگے۔ نہ کہ
عیسائی عیسائیوں کو.........
پس یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ مالک (باغبان) والی پیشینگوئی
محض محض حضرت محمدؐ صاحب کے ہاتھ پر ہی پوری ہوئی۔

دفعہ ۳۲ دوسرا جواب

یہہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنی مصلحتیں آپ جانتا ہے۔ اُس کی

درگاہ میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اس نے مصلحتاً حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ایک دنیا کو غرق کر دیا۔ اس نے مصلحتاً حضرت یونس علیہ السلام کے زمانے میں اپنی انذازی پیشنگوئی کے باوجود اور اپنے پیارے نبی حضرت یونسؑ کو ناراض کرنے کے باوجود بھی اپنی خلقت کو ہلاک ہونے سے بچا لیا۔ لیکن جب تمام روئے زمین پر بت پرستی چھا گئی۔ تو بت پرستی کی جڑ کاٹنے کے لئے اللہ تعالے کو سختی برتنی پڑی۔ اور اس نے جیسا کہ انجیل شریف میں قبل از وقت فرمایا دیا تھا باغبانوں کو آپ ہلاک کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر غور فرمائیے کہ نبی کی پیدائش ایسے ہی ملک میں ہوئی۔ جو بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور صرف مرکز ہی نہیں تھا۔ بلکہ بت پرستی کی وجہ سے وہ معرض کشت وخون بھی تھا۔ اور اللہ تعالے کی حکمتِ بالغہ نے ایسا تقاضا کیا۔ کہ اس نے کشت وخون کو کشت وخون کے ذریعے ہی کاٹ دیا۔ اور جنگِ بدر میں مسلمانوں نے وہ نمونہ دکھلایا۔ جو انجیل شریف میں لکھا تھا۔ کہ بیٹے باپ کو اور بھائی بھائی کو قتل کرتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ادھر سے تو انجیل شریف میں ظالموں کو آپ کر ہلاک کرنے کی پیشنگوئی اللہ تعالیٰ نے درج کر دی تھی۔ اور ادھر سے اہلِ عرب کا ایک زمانہ میں آکر یہ حال ہو گیا۔ کہ ان میں اس قسم کی خوفناک خانہ جنگیاں ہو گئیں۔ جو نسلاً بعد نسل مختلف قبیلوں میں سرایت کر گئیں۔ اور اسی خانہ جنگی کی خاطر ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا خدا بھی الگ

بنالیا تھا۔ چنانچہ کعبہ میں ۳۶۰ بت ایسے تھے۔ جن کے ماننے والے مختلف قبیلے تھے۔ اور ان میں باہمی کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ اور وہ جنگ کے موقع پر اپنے بتوں کی بڑائی اور دوسرے بتوں کی کمزوری کے گیت بھی گایا کرتے تھے۔ گویا بت پرستی سے ان کی خانہ جنگیوں کو اور ان کی خانہ جنگیوں سے انکی انواع و اقسام کی بت پرستی کو تقویت ملتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکِ عرب میں مبعوث فرماکر ادھر سے تو وہ قدیمی پیشینگوئی پوری فرمادی یعنی جہاد کا حکم دے کر اور اس کا استعمال کرواکر نہ صرف ملکِ عرب کی بت پرستی (بلکہ اس کی دیکھا دیکھی تمام دنیا کی بت پرستی بھی) دور فرمادی اور ادھر سے ضمنی طور پر ملکِ عرب سے اس کی مختلف قوموں کی باہمی کشت و خون کی بھی روک تھام کردی۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہو۔ کہ عرب ایک ایسا وحشی ملک تھا جس میں فسق و فجور کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ چوری اور قزاقی میں تو عرب کے لوگوں نے یہاں تک ناموری حاصل کی تھی۔ کہ غیر قوموں نے سارسیس (سارقین کا محرف ہے) خطاب دے رکھا تھا۔ بیرحمی، سنگدلی ننھے ننھے معصوم اور شیر خوار بچوں کا زندہ زمین میں گاڑ کر مار ڈالنا (یا بتوں پر قربانی چڑھا دینا یہ تو گویا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ حرامکاری بے شرمی۔ اور بے حیائی کی یہ نوبت تھی۔ کہ کنواری اور بیاہی ہوئی عورتیں زنا کو فخر سمجھتی تھیں۔ اور جس طرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان

کی عورت سے زنا کرنا فخر کے طور پر بیان کرتا تھا۔ اسی طرح عورتیں نامی مرد یا مشہور خاندان کے مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں۔ یتیموں کے مال کھا لینے میں وہ ذرا تامل نہیں کرتے تھے۔ بجز شرابخوری قمار بازی اور بت پرستی کے کچھ کام نہ تھا۔ گھر گھر بت پجتے تھے۔ اور قبیلے قبیلے کا خدا جدا تھا۔ اور ان میں خانہ جنگیوں کی حالت ایسی خوفناک تھی کہ اگر یہ مان بھی لیا جاوے۔ کہ پیغمبر صاحب کے آنے سے بھی ملک عرب میں بہت سی خونریزیاں وقوع میں آئیں۔ تاہم یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ تمام خونریزیاں ملک عرب کی سالقہ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں کا عشر عشیر بھی نہ تھیں۔ چنانچہ مدینے کے دو قبیلے اوس اور خزرج میں سینکڑوں برس سے لڑائی قائم تھی۔ اسلام نے ایک نیا جتھا کھڑا کیا۔ اور اسلام کی برکت سے لوگ اپنی خاندانی عداوتیں سب بھول گئے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ پیغمبر صاحب کے جہاد کے حکم نے آکر ملک عرب کی تمام جنگیوں کو ایسا دبا دیا کہ وہ ملک ہمیشہ کے لئے نہ صرف خانہ جنگیوں سے پاک ہو گیا۔ بلکہ ایک حد تک پرانی بت پرستی۔ شراب خوری۔ قمار بازی بچہ کشی سے بھی پاک ہو گیا۔

انہی وجوہات سے حضرت محمدؐ صاحب کے وجود کو قرآن شریف میں رحمۃ اللعلمین قرار دیا ہے۔ نہ صرف عربوں نے اس کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ بلکہ سب سے بڑھکر عیسائی صاحبان نے فائدہ اٹھایا۔ اور پوپوں کے پنجے سے انہوں نے نجات پانے کا ڈھب سیکھ لیا۔ اور عرب کی خانہ جنگیوں

کے استیصال کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ پارہ ۴ سورۃ آل عمران رکوع ۱۱ کی دوسری آیت :۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور سب ملکر مضبوطی سے اللہ کے دین کی رسی کو پکڑے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کی۔ اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے آ لگے تھے۔ پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِسی طرح اللہ تعالےٰ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ۔ انتھی ؕ۔

پس جب اللہ تعالےٰ نے اِس پیشینگوئی کو برمحل وارد کیا۔ اور اس سے خونریزیوں کی آئندہ کے لئے روک تھام کردی۔ تو اِس میں اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ پر کیا اعتراض آ سکتا ہے۔ ماننا پڑے گا۔ کہ ایسا کرنا اللہ تعالےٰ نے مصلحتاً مناسب سمجھا۔ اور اس بارے ہم قرآن شریف سے بھی ثابت کر آئے ہیں۔ کہ سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے تذکرے کے بعد حضرت محمدؐ صاحب کے زمانے میں بھی طوفانِ نوحؑ کا سا نقشہ جمانیکا ارادہ فرمایا ہے۔ اور جس کو وہ

کفارِ مکہ کے حق میں وارد کرنا چاہتا ہے۔ ملاحظہ ہو دفعہ ۲ :-

الغرض حضرت محمدؐ صاحب صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم سے نہ صرف آنجناب کی عین حیات ہی میں ملک عرب کے کل مومن بھائی بھائی ہو گئے۔ بلکہ آنجناب کے وصال شریف کے بعد بھی خلافتِ ثلاثہ کے زمانے تک کل مسلمان ایسے باہم بھائی بھائی رہے۔ اور محبت واخوت میں ایسے سرشار تھے۔ کہ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اعلائے کلمۂ حق کر دکھایا۔ اور عرب کے علاوہ ایران وروم کے ملکوں میں سے بھی شرک کی بیخکنی کر کے وہاں توحید کا ڈنکا بجایا۔

اس مقام پر اس امر کا اظہار ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے اس باہمی اتفاق ومحبت کو جو مسلمانوں نے حضرت محمدؐ صاحب کی زندگی میں اور خلافتِ ثلاثہ کے زمانے میں دکھلائی تھی نعمتِ الٰہی کے نام نامی سے نامزد فرمایا ہے۔ اور پھر ایک دوسرے مقام پر اس نعمت کی قیمت وقدر بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

سورۃ انفال پارہ ۱۰ رکوع ۴ کی پانچویں آیت۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اور اگر تو (اپنے طور پر) روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اُن لوگوں

میں اُلفت ڈالدی۔ بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے (اسُی نے خاص ترکیبوں سے اُن میں اتفاق پیدا کیا۔ اور اُسی کی حکمت کاری نکلی)

الغرض اتفاق بھی منجملہ اُن الٰہی نعمتوں کے ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو تاکید کی ہے۔ کہ وہ دُعا میں مانگا کریں۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔ گویا اِتفاق واتحاد بھی ایک صراطِ مُستقیم ہے۔ اور جو آجکل مسلمانوں میں گویا عنقا ہے۔ اور اب یہ اورخوش نصیب قوموں میں چلا گیا ہے۔ اور اپنے مبارک پھلوں سے اُن کو متمتع فرما رہا ہے اور مسلمان پڑے مکھیاں مار رہے ہیں۔ اُن میں کوئی شیعہ ہے۔ جو پہلے تین خلیفوں کو تبرّے بھیجنا ہی سعادت کا موجب سمجھتا ہے۔ کوئی خارجی ہے۔ جو حضرت علی علیہ السلام کو تبرّے بھیجتا ہے۔ کوئی سنی ہے۔ جو تین خلیفوں کے علاوہ حضرت علی علیہ السّلام کو چوتھا خلیفہ مانتا ہے۔ اور صرف رسمی طور پر مانتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں حضرت علی علیہ السّلام کے کسی پاک ومبارک ارشاد پر اس کا کوئی دستور العمل نہیں۔ اور اپنے اپنے طور پر پھر اہلسنت والجماعت میں سے۔ کوئی حنفی ہے۔ کوئی شافعی ہے۔ کوئی مالکی ہے۔ کوئی حنبلی ہے۔ کوئی اہلِ حدیث ہے۔ کوئی اہلقرآن ہے۔ کوئی احمدی ہے۔ اور کوئی اپنے تئیں محمدی کہلا رہا ہے اور ایک دوسرے کی تکذیب پر اس طرح تلے بیٹھے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اگرچہ صوفیا میں سے بھی بعض چشتی ہیں۔ بعض

سہروردی۔ بعض قادری وغیرہ ہیں۔ لیکن ان میں وہ بغض نہیں جو اور فرقوں میں ہے۔ بہر حال مسلمانوں کے لئے اس قدر فرقوں کا ہونا ایک گونہ ذلت و تباہی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب سعادتِ اسلام میں اس امر کو روز روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ اس وقت مسلمانوں میں سے کونسا فرقہ ناجی ہے۔ اور دوسرے فرقوں میں اختلاف کے وجوہات کہاں تک صحیح یا غلط ہیں۔ اور اختلاف کی بنا کب سے قائم ہوئی کہاں سے قائم ہوئی۔ کیوں قائم ہوئی۔ اور اب کس طرح اٹھ سکتی ہے ہمارا ارادہ تھا کہ اسی مقام پہ مسلمانوں کے اختلافات کے وجوہات کے کافی و شافی جواب بھی دے دیئے جاتے۔ لیکن پھر ہماری کتاب بڑھ جاتی۔ اور ناظرین ایک دوسرے مسئلے میں جا پڑتے۔ اس لئے ہم نے اس کے لئے ایک الگ کتاب مخصوص کر لی ہے۔ اور اس کتاب میں اسلام کے تمام فرقوں کے تمام اختلافوں کے جوابات قرآن شریف سے دیئے گئے ہیں۔ اور یہی بات اس کتاب میں ایک خاص بات ہے۔ جو نہایت قابلِ قدر ہے۔ افسوس اس قدر دقت کے ساتھ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کا بیج بویا گیا۔ اور ہزار ہا بزرگوں کی شہادتوں کے ساتھ۔ بویا گیا اور آج اس کو بری طرح پاؤں تلے روندا جا رہا ہے۔ لیکن کیا نا اتفاقی کی طفیل اس وقت مسلمان اِفلاس و ادبار کے پاؤں تلے روندے نہیں جا رہے ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ اگر مسلمانوں نے یہی وتیرہ رکھا تو ایک نہ ایک دن ان کی جمیع برکات کا خاتمہ ہو جاوے گا۔

دفعہ ۳۵

الغرض اس سورۃ شریفہ یعنی سورۃ آلِ عمران میں شروع شروع میں ہی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی پیدائش کے تذکرے کے پہلے تمہیدی طور پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی ہے

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ

جس سے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السّلام و حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی عجیب (نہ کہ مافوق الفطرت) پیدائشوں کا تمہیدی ذکر کرنا اللہ تعالےٰ کا مقصود ہے۔ بلکہ اس سے حضرت محمدؐ صاحب کی دینی کامیابی کی بشارت دینا بھی اللہ تعالےٰ کا مقصود ہے۔ اِس آیتِ شریف کے علاوہ اسی سورت شریف میں اور چھ ایسی اصولی و تمہیدی آیات بھی پائی جاتی ہیں۔ جو مسئلۂ امامت پر اور مسئلۂ ولادتِ مسیح پر کافی روشنی ڈالنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات کا شافی جواب دیتی ہیں۔ اور جن کو کامل طور پر سمجھنے کے بعد کچھ شک ہی نہیں رہتا۔ اور اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بلا باپ پیدا نہیں ہوئے تھے ہم طوالت کے خوف سے اس مقام پر صرف دو اصولوں کا ذکر کریں گے جن میں سے ایک کا ذکر تو یہاں کرتے ہیں۔ جو ثبوتیہ ہے۔ اور ایک کا کتاب کے آخیر میں ذکر کر دیں گے۔ ناظرین وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ باقی چار چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ بہر حال اُن چھ اصولوں میں سے ایک اصول تو یہ ہے:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

سورۃ آل عمران پارہ ۳ تلک الرسل رکوع کی پانچویں آیت شریف جس کے ترجمے پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کے طبقے پر انسان کی بڑی خواہشوں میں سے سب سے بڑی خواہش جو نظام عالم میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ وہ مرد و عورت کی باہمی مودت و محبت ہوتی ہے۔ پھر اُس سے دوسرے درجے پر بیٹوں کی۔ پھر تیسرے درجے پر مال و دولت (سونے چاندی) کی پھر گھوڑوں کی پھر چارپایوں کی اور سب سے آخری کھیتی باڑی کی یہہ ترتیب طبعی ہے۔ اور کوئی انسان اِس ترتیب کو بدل نہیں سکتا۔ یہ سچ ہے۔ کہ جوں جوں انسانی قوے کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ توں توں اس کی خواہشوں کی ترتیب بھی بدلتی جاتی ہے۔ لیکن عین جوانی کے عالم میں زور و قوت کے زمانے میں خواہشوں کی ترتیب یہی ہے۔ جو اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے۔ ہمارا یہہ مطلب نہیں کہ ہم اِس جگہ آیت شریف کا شانِ نزول و تفسیر لکھنی شروع کرنے لگے ہیں۔ ہمارا مطلب صرف اِس قدر ہے۔ کہ اللہ تعالے کی حکیم کتاب نے یہ فرمایا ہے۔ کہ اگرچہ بیٹا پیدا ہونے کی خوشی ایک اعلے درجے کی خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی مرد و عورت کی ازدواجی

خوشی سے ہمیشہ دوم نمبر پہ ہی ہوا کرتی ہے۔ اور یہی سنتِ صحیحہ ہے۔ اگر ازواج کی باہمی محبت بنین (اولاد) کی محبت سے بڑھکر نہ ہوتی۔ تو دنیا میں توالد و تناسل کا سلسلہ بوجہ احسن نہ چلتا۔ اور پھر اولاد میں سے بیٹوں کی پیدائش کی خوشی بیٹیوں کی پیدائش کی خوشی سے بڑھکر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کے قول نقل کرنے میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے:۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ

سورۃ آل عمران رکوع ۴ کی چھٹی آیت کا پہلا ٹکڑا۔ بہرحال اللہ تعالےٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائشوں کے تمہیدی بیان میں آیت زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ الخ میں نساء کو بنین کے پہلے لکھنے سے اس امر پہ مہر لگادی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قطعاً منشا نہیں ہے۔ کہ وہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت یحییٰ علیہ السلام میں سے کسی ایک یا دونوں کی مافوق الفطرت ولادت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے۔ یا ایسا کرنے کا اسے خیال بھی پیدا ہوا ہے اگر اس کا یہ منشا ہوتا۔ کہ میں ایک یا دو مافوق الفطرت والعادت پیدائشوں کا ذکر کروں۔ تو اس میں زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ نہ فرماتا۔ بلکہ نساء کے لفظ کو کاٹ ہی دیتا۔ یا اسے شرم کے مارے ڈرتے ڈرتے آخر میں جا رکھتا:۔

کیا یہ ممکن ہے۔ کہ تمہید میں تو اللہ تعالےٰ ایک خاص اصول کا بیان فرماوے۔ اور پھر آگے چلکر اِس اصول کو گاؤخورد کر جاوے۔ اِس مقام پر بعض لوگ قلتِ تدبر سے ایک اور اصول کا ذکر بھی فرمایا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو عورت کسی معبد پر نذر کے طور پر چڑھائی جاتی تھی۔ موسوی شریعت میں اس کو نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں تھی:۔

اُن بھلے مانسوں کو ذرا غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو مریم علیہا السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی مریمؑ کی ماں کیوں یہ دعا مانگتی۔

وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَابِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ه

سورۃ الِ عمران رکوعؑ کی چھٹی آیت شریف کا دوسرا ٹکڑا)

اب ہم اصل قصّے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ سورۃ ال عمران کے رکوعؑ کو ذرا کھول لے۔ اور اُن میں پہلی اور دوسری آیات اور پھر چوتھی۔ پانچویں۔ چھٹی آیات پر خاص خیال فرماوے

دفعہ ۳۶

الغرض جب آسمان پر اِس امر کا فیصلہ ہوگیا۔ کہ اب خلق اللہ کی ہدایت و اخروی و نجات کے لئے ایک اولوالعزم نبی کا پیدا کیا جانا ازبس ضروری ہے۔ اور اُس کی پیدائش توریت شریف کی پیشنگوئیوں و بشارتوں کے مطابق وقوع میں آنی ہے۔ تو پہلے پہل مریمؑ پر الہامات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ فرشتوں نے مریم علیہا السلام کو قبل از وقت بتلا بھی دیا۔ کہ اے مریمؑ ایک کارِ بزرگ کے لئے تیرے

خدا تعالیٰ نے تجھے چنا ہے۔ اور سارے جہاں کی عورتوں سے بڑھکر اُس کو تجھ پر ہی فضل کرنا مقصود ہے۔ تجھ کو اُس نے تمام گناہوں سے پاک رکھا ہے۔ اے مریمؑ ایسا کرنا۔ کہ خدا کا جو حکم تجھ پر نازل ہو۔ اُسے اچھی طرح سے بجا لائیو۔ اور ساتھ ساتھ خدا کی عبادت بھی کرتی رہیو۔ جیسا فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

رکوعؑ کی پہلی اور دوسری آیات

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور جب فرشتوں نے (مریمؑ سے) کہا کہ اے مریمؑ تم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا (چن لیا) اور (گناہ کی آلودگیوں سے بھی) تم کو پاک و صاف رکھا۔ اور اِسی وجہ سے تم کو دنیا جہاں کی عورتوں پر (ترجیح دے کر) انتخاب فرمایا (تو) اے مریمؑ اپنے پروردگار کی فرماں برداری کرتی رہو۔ اور اُس کی جناب میں سجدہ کیا کرو۔ اور رکوع میں جھکتی رہو:۔

اِس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مریمؑ پر جب یہ سلسلہ الہامات شروع ہوا۔ تو وہ بالغ ہو چکی تھی۔ تب ہی تو اُسے یہ بشارت ملی۔ کہ اصطفٰکِ علٰی نساءِ العلمین۔ یعنی اے مریمؑ تجھے دنیا جہاں کی عورتوں پر ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہے۔ اور تب ہی تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تابعداری کرنے پر مکلّف بھی کی گئی ہے

الغرض جب فرشتے مریمؑ کو آگاہ کر گئے۔ تو ایک دن انہوں نے اُن کو خدا کی طرف سے بشارت بھی لا سنائی۔ کہ اے مریمؑ اب تیار ہو جا۔ تجھ پر اللہ تعالےٰ اپنا کلام نازل فرما دے گا۔ اور تجھے ایک بیٹا بخشے گا۔ جس کا نام عیسیٰ ابن مریمؑ دنیا میں مشہور ہو گا۔ اور وہ دین و دنیا میں رو دار۔ معزز ہو گا۔ اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہو گا۔ اور وہ (دنیا میں اپنے گرد نواح کے لوگوں سے دو حالتوں میں کلام بھی سیکھے گا۔ گویا مختلف وقتوں میں اُسے دو بولیاں سیکھنی پڑینگی جس سے اشارتاً پایا جاتا ہے۔ کہ وہ پہلے ملک سے قطعی ہجرت کر کے عالم کہولت کے اندر دوسری بولی والے ملک کے اندر چلا جائے گا۔ اور پہلے ملک کو بالکل ہی چھوڑ جائے گا) انس رکھنے والے اور قدرتی طور پر بلا معلوم بولیاں سکھانے والے لوگوں یعنی) (انسانوں کے ساتھ جھولے میں (ایک بولی میں) اور بڑی عمر کا ہو کر (دوسری بولی میں یعنی بولی سیکھ کر) کلام کیا کرے گا۔ اور وہ نیکو کاروں میں سے ہو گا۔

اِس بات پر مریمؑ کو بہت اضطراب پیدا ہوا۔ اور دل میں بشارت سنکر بہت خوش ہوئیں۔ اور پھر خُدا کی درگاہ میں آپ نے دعا مانگی اور کہا کہ اے اللہ تعالےٰ میرے ہاں لڑکا کیوں کر پیدا ہو گا۔ حالانکہ مرد[۵۱] نے مجھے چھوا ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے اُسے جواب دیا۔ کہ اسیطرح

[۵۱] اس جگہ "بَشَر" کا ترجمہ کرنے میں ہم نے دنیا بھاں کی تفسیروں اور ترجموں

سے تھوڑا سا انحراف کیا ہے۔ کہ اس کی تنوین کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جو کہ عربی میں
علامت تنکیر ہے۔ جس طرح اَل عربی میں علامت تعریف (معرفہ ہونے کی علامت)
ہے۔ اُردو فارسی میں علامت تنکیر و تعریف تو کوئی نہیں۔ البتہ چند صفتی کلمے ہیں۔
جو تنکیر و تعریف کا مفہوم ایک حد تک ادا کر جاتے ہیں۔ اردو میں حروف تنکیر کوئی
کچھ۔ ایک۔ کسی ہیں۔ اور حرف تعریف وہ۔ اُس۔ اُن۔ انہوں ہیں۔ چنانچہ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ
کا ترجمہ عام لوگ یہہ کیا کرتے ہیں۔ مجھکو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ انگریزی زبان میں
حروف تعریف و تنکیر کو articles کہتے ہیں۔ اور وہ صفات تعینی سے معنوں میں
اور زور میں کمزور اور ہلکے ہوتے ہیں۔ یعنی a اور an تو one کا مخفف ہیں۔ اور
the یا تو this کا یا that کا مخفف ہے۔ لیکن انگریزی کے articles
بھی علم صرف میں صفتی کلمے گنے جاتے ہیں۔ اور اسم سے الگ معنے دیتے ہیں۔ گو
نحو میں ان کی کمزوری کے سبب سے ان کو اسم کے ساتھ ملا کر فقروں کی ترکیب
کی جاتی ہے۔ اور عربی کے articles انگریزی کے articles سے
بھی کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ اسم سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ معنوں کے لحاظ
سے انگریزی کا a یا an عربی کی تنوین سے اور انگریزی کی the عربی کے
اَل کا مترادف ہے۔ لیکن عربی کے articles اس قدر کمزور ہیں۔ کہ نہ
صرف میں اسم سے الگ ہو سکتے ہیں۔ نہ نحو میں۔ اردو زبان کی کم ظرفی
کے سبب سے ہم نے عربی فقرے کا ترجمہ کرتے وقت اس کی تنوین کا (بَشَرٌ)
ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ بَشَرٌ ترجمہ سے عربی کے اصلی مفہوم پر پانی پھر
جاتا ہے۔ اور پھر اردو کے اس ترجمے کی (کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا) ہے

ثت تبتی ہے۔ کہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ مریم علیہا السلام جس کو طھوڑلٹ کا خطاب مل چکا ہے۔ اس قدر اخلاق سے گری ہوئی عورت ہے۔ کہ وہ درپردہ چاہ رہی ہے۔ کہ کاش کوئی مرد (زید۔ عمر۔ بکر۔ خالد۔ ولید۔ حامد۔ گنگا سنگھ جھنڈا سنگھ۔ لہنا سنگھ۔ رامچند۔ کھیم چند۔ ہیم چند۔ جوتی پرشاد۔ دھوتی پرشاد گنگارام۔ مولابخش۔ ڈینیل۔ گرین وڈ۔ ہیگو صاحب۔ الگزینڈر۔ الفرڈ۔ گھسیٹا بوٹا۔ موتی۔ جوتی۔ کھڑک سنگھ۔ ڈکار سنگھ۔ نعوذباللہ من ھذا لھفوات) ہی اسے چھو جائے۔ تا اس کا بیڑا پار ہو جائے (لعنت بر ایں عقیدہ) اس لئے ہم نے لفظ "کسی" کو ترجمہ سے چھوڑ دیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ قرآن شریف کے تمام مفسروں اور مترجموں نے غلامٌ "فلانٌ" کی تنوینوں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جیساکہ ہم نے وہ بھی چھوڑ دیا ہے۔ پس اگر کسی شخص کو بَشَرٌ کی تنوین کا ترجمہ چھوڑ دینے کی بابت اب بھی کوئی عذر ہو۔ تو اس کا جواب وہ اُن تمام علماء سے پوچھ سکتا ہے۔ کہ غلامٌ کی تنوین کا ترجمہ کیوں وہ چھوڑ گئے ہیں۔ یا وہ خود سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس طرح غلامٌ کے ترجمے کا اظہار کرنے میں اردو زبان میں تنوین کا ترجمہ کئے بغیر اصلی مفہوم بوجہ احسن ادا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بَشَرٌ کا ترجمہ کرتے وقت تنوین کا ترجمہ چھوڑ دینے سے ہی اردو میں اصلی مفہوم بوجہ احسن ادا ہو سکتا ہے۔ اور بنی ترجمہ کرنے میں اُن یہودیوں کی طرح لعنتی ہونا پڑتا ہے۔ جن کے حق میں اللہ تعالےٰ نے زور شور سے فرمایا ہے۔ وقولھم علی مریم بہتاناً عظیماً۔ یعنی اس عفیفہ کی نسبت بہت سے خاوند تجویز کرنے کا خیال بھی انسان کو لعنتی بناتا ہے۔

(دیکھو بقیہ حاشیہ ۱۰۱ پر)

اللہ جو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کرنا ٹھان لیتا ہے
تو بس اُسے فرما دیتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے؀۔
یہہ تمام بیان سورۃ آل عمران کے رکوع ۵ کی چوتھی۔ پانچویں
اور چھٹی آیات کا ترجمہ ہے۔ جن کی اصل عبارت یوں ہے :۔
اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ
بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

دفعہ ۳

اب ہم اپنے ناظرین سے بصد الحاح و لجاجت سے التماس
کرتے ہیں۔ کہ وہ کچھ عرصے کے لئے کل شہوانی خیالات چھوڑ دیں۔ اور
اگر ہو سکے۔ تو اَعُوْذُ پڑھیں۔ وضو کر کے دوگانہ ادا کریں۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ وَاِنِّىْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ کیوں کہ اب اللہ تعالےٰ کے نہاں در نہاں اسرار کے کھلنے کا وقت
ہے۔ اِس ترجمے میں لَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ کا فقرہ خاص الخاص توجہ اور غور
کے قابل ہے۔ کیا جو عورت بڑے دعوے کے ساتھ درگاہ ایزدی
میں کھڑی ہو کر یہہ فقرہ بول رہی ہے۔ اور تماس بشر سے بالکل انکاری
ہے۔ کیا تم اُس کی نسبت خیال بھی کر سکتے ہو۔ یا خیال کرنے کا وہم بھی
کر سکتے ہو۔ کہ اسے تماسِ بشر کا خیال بھی پیدا ہوا ہو گا۔ یعنی اُس نے وہ فقرہ

اُس حالت میں بولا ہوگا۔ جب کہ ابھی اُس کا نکاح بھی نہ ہوا ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں عجیب انداز رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ لی اور بشر (مریم اور خاوند) کے الفاظ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ گویا۔ دونوں لفظ باہم مماس کر رہے ہیں۔ اور دوسرے بشر کا پہلا حرف ب شفتی ہے۔ جس کے بولنے میں ہونٹوں کو باہم اسی طرح ملانا پڑتا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی کسی چیز کا بوسہ لیتا ہے :۔

الغرض اِس آیت پر سارے عقیدے کی جان ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ مریمؑ اِس فقرے کو بولتے وقت شہوانی خیالات میں مستغرق ہو۔ کیوں کہ یہہ جملہ وہ زید عمر بکر خالد کے سامنے نہیں بول رہی ہے۔ بلکہ خاص پروردگار کی درگاہ میں بول رہی ہے جس کی درگاہ کے اندر داخل ہونے کے لئے مومن کو وضو یا تیمم کرکے جانا پڑتا ہے۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں تمنے نہیں پڑھا ہے۔ وَخَرَّ مُوْسیٰ صَعِقًا۔

اور پھر عام طور پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لَوْاَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ۔

دفعہ ۳۸

ہم ناظرین کو زیادہ دیر تک اس میں متوجہ نہیں رکھنا چاہتے اور مختصر عرض کرتے ہیں۔ کہ اگرچہ یمسسنی بشر کا فقرہ جس کی تصدیق اللہ تعالےٰ نے کذالکِ کے جواب سے فرمادی ہے۔ استغراقی طور پر

صحیح ہے۔ تو بشر سے مراد مریمؑ کا جائز خاوند ہی ہو سکتا ہے۔ جس سے مریمؑ کی شادی ہو چکی ہو۔ نہ کہ کوئی اور غیر مرد۔

اس قدر مختصر بیان اُن لوگوں کی سمجھ کے لئے تو کافی ہے۔ جو مریمؑ کو مریمؑ کی آنکھوں سے دیکھیں۔ یعنی فنا فی المریمؑ کے مقام پر کھڑے ہو کر اُس کی مزاج کے عارف ہو کر اُس کے بارے میں رائے لگا دیں۔

لیکن جن لوگوں کو سمجھ نہ آوے۔ اُن کے لئے ہم آیت شریفہ کے ٹکڑے لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ کے تمام امکانی معنے اس جگہ درج کرتے ہیں۔ اور مقصودی معنوں کی تلاش کرنے کے لئے۔ ہم ناظرین سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ خود ہی فیصلہ فرمالیویں۔ کہ کونسے معنے حضرت مریم علیہا السلام کے پیش نظر تھے۔ اور کونسے معنے اس کا مقصود ہو سکتے ہیں۔

تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس بارے میں عیسائی صاحبان سے بھی سبق حاصل نہیں کیا۔ کاش ذرا دو منٹ کے لئے انجیل مبارک کو دیکھا ہوتا۔ وہاں بھی یہی قصہ مندرج ہے۔ اور وہاں مرد کے لفظ کے ساتھ کوئی کلمہ تنکیر نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ذیل کی آیت۔ "مریم نے فرشتے سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا۔ جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی۔ اور فرشتے نے جواب میں اُس سے کہا۔ کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خداتعالے کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔

(لوقا باب اول ۳۵ آیت)

دفعہ ۳۹

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اُس نے اِس فقرے کا مطلب سمجھانے کے لئے اگرچہ اِس فقرے میں اپنی اعجاز بیانی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور یہہ فقرہ اپنا مفسّر آپ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور جیسا کہ انجیل میں بھی بعینہٖ اِسی کا مترادف فقرہ ہے "مَیں مرد کو نہیں جانتی" جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ایسا فقرہ بولنے کی بھی مجاز نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ ایک مرد کا نکاحِ شرعی اُس سے نہ ہو چکا ہو (کیونکہ روحانی طور پر وہ ایسا خیال کرنے کی مجاز نہیں ہو سکتی۔ اور جسمانی طور پر جبکہ بشر کا لفظ نہ صرف اس کے منہ کو تماس کر رہا ہے بلکہ بشر کا لفظ نی کے لفظ کو بھی جو اِسم مریمؑ ہے۔ تماس کر رہا ہے۔ تو کیوں کر (نی) اور بشر میں کسی قسم کا وصل نہ مانا جائے۔ اور یہی بات دوسرے لفظوں میں نکاحِ شرعی ہے) اور انجیل مقدّس میں اِس امر کی صراحت بھی موجود ہے۔ کہ ان کا نکاح ہو چکا تھا (منگنی اور نکاح عہدِ موسوی میں مترادف الفاظ تھے) اور نیکبخت عیسائی صاحبان اِس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ منگنی کے بعد ان میں مجامعت شرعاً جائز ہے۔ اور یہہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جناب یوسف نجار کی ذریت سے ہیں۔ جیسا کہ آج کے دن تک بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے نسب نامہ میں لکھا ہوا ہے دیکھو انجیل متی باب اول آیت ۱۶۔ اور حضرت پولوس صاحب علیہ السلام نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ رومیوں کے نام پولوس

رسول کا خط باب اوّل آیت چار - جو(یسوع مسیح) جسم کے اعتبار سے داؤد کی نسل سے پیدا ہوا - لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھیرا۔

لیکن قرآن شریف نے واقعۂ صحیحہ کے بیان کرنے میں صرف اِسی اکیلے فقرے پر انحصار نہیں رکھا۔ بلکہ اُس نے ایک اور مقام پر اِس فقرے کا زوج بھی درج کر دیا ہے۔ جس سے اِس فقرے کے مفہوم پر ایسی روشنی پڑتی ہے۔ کہ جھٹ اِس فقرے کے صحیح معنے کھل جاتے ہیں۔ اور چوں وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا وہ فضل خاص ہے۔ جس کی وجہ سے قرآن مجید کو انجیل شریف پر ایک گونہ فوقیت ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ذیل ؛۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ۝ سورہ مریم پارہ ۱۶ قال الم : رکوع ۱ کی آیت پانچویں ؛۔

دفعہ ۱۰

اِس مقام پر لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کے ساتھ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کا فقرہ بھی آگیا ہے۔ جو اُس کی خدمت اور تکمیل کر رہا ہے۔ اب اگر پہلے فقرے کے معنوں میں بشر کے لفظ میں ایک عمومیت مانی جاوے۔ تو تبلاؤ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کی پھر کیا ضرورت رہتی ہے۔ جس میں عام فہم ترجمہ کے مطابق (نہ میں کبھی بدکار رہی۔ گو ہم اِس ترجمے کو بھی نہیں مانتے۔ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا) مریم بدکار عورت ہونے سے دُہائی مانگ رہی ہے۔ کیا بدکار

عورتوں کے گھر مسِ بشر (عام) کے بغیر ہی حمل ہو جایا کرتا ہے۔ اہا ہا اہو ہو ا۔

دوستو مقام غور ہے۔ اگر لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کے فقرے میں بشر سے مراد خاوند جائز نہ لی جاوے۔ بلکہ عام آدمی (ہرکہ ومہ) سے مراد لی جائے۔ تو لَمْ اَكُ بَغِيًّا میں کونسی دوسری توجیہ حمل قرار پانے کی باقی رہجاتی ہے۔ یعنی اگر لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ میں حمل قرار پانے کی طبعی توجیہ کا بیان ہونا مان لیا جاوے۔ تو پھر حمل قرار پانے کی تمدنی صورت کے بیان کی کیا ضرورت باقی رہجاتی ہے۔ جس کا اظہار لَمْ اَكُ بَغِيًّا سے کیا جائے۔ اور جس کے اظہار کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہو۔ بالفاظِ دیگر یہہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ حمل کی دو بیان کردہ صورتوں میں سے ایک شق تو طبعی توجیہ کا انکشاف کر رہی ہو۔ اور دوسری شق تمدنی (اور وہ بھی مکروہ) توجیہ کا انکشاف کر رہی ہو۔ یا تو دونوں توجیہیں طبعی ہونی چاہئیں یا دونوں تمدنی طبعی تو دو ہو نہیں سکتیں کیونکہ مسلم ہوئے زمیں پر حمل قرار پا جانے کی طبعی توجیہ ایک ہی ہوتی ہے اور وہی مریم کے ذہن میں ہے۔ اور ابھی تک مریمؑ کو تمہاری مافوق الفطرت فرضی توجیہ کی خبر ہی نہیں۔ کیوں کہ خدا کا جواب آگے آتا ہے۔ اس وقت تک مریمؑ کے ذہن میں بھی حمل پانے کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وُہی ہے۔ جو مسِ بشرٌ کے الفاظ سے ایک رنگ میں اللہ تعالےٰ کی قادر الکلامی نے بیان بھی کر دی ہے۔ پس ماننا پڑے گا۔ کہ دونوں صورتیں تمدنی توجیہ کا انکشاف کر رہی ہیں جن میں سے لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کا فقرہ تو توجیہ

مقبول کو تبلا رہا ہے۔ اور لَہٗ اٰتِ بَغِیًّا توجیہ مذموم کو تبلا رہا ہے۔

دفعہ ۱۴

پس یہہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ مریمؑ کے ذہن میں نفسِ مجامعت کا خیال براہِ راست نہ پہلے فقرے میں ہے اور نہ دوسرے فقرے میں (اور ضمنی طور پر اِن دونوں میں ہے یعنی مخاطب کو اور ثالثِ مبین کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ مریمؑ کے اِن دونوں فقروں سے یہہ استنباط کرے کہ مریمؑ کا ذہن مجامعت کے عدم وقوع کا اظہار شریفانہ لہجے میں کر رہا ہے ورنہ نفسِ مجامعت کی طرف مریم کا ذہن نہ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ کے فقرے کے اظہار کرنے میں ثابت ہے۔ اور نہ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کے فقرے کے بولنے میں وہ صرف دو تمدنی مشکلات اور الجھنوں کا ہی بیان فرما رہی ہے۔ اور یہی مطلب ہے کلام اللہ شریف کی اُس آیت کا جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَطَهَّرَكِ۔ اور فرمایا۔ وَالَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا؛ بلکہ پہلے فقرے میں مسِ بشر کی مقبول شق کا بیان کر رہی ہے اور دوسری صورت میں مذموم شق کا۔ اِس تفسیر سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ بشر سے مراد مریمؑ کا خاوند ہی ہے۔ نہ کہ زید عمر بکر وغیرہ۔ جب بشر کے معنے مقرر اور متعین ہو گئے۔ تو مس کے وہ معنے جو مریم علیہا السّلام کے ذہن میں ہیں اور جن معنوں کے ساتھ اُس کا دل بھرپور کر درگاہِ الٰہی کلام کر رہا ہے۔ اُن معنوں کا پتہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ آؤ ہم ملکر ثابت کریں:

دفعہ ۲۴

اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ دونوں فقرے حمل قرار پانے کی تمدنی شق کا ہی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ مَس کے لفظ سے مریمؑ کی مراد براہِ راست خاص نفس مجامعت نہیں ہے۔ تو اب دونوں فقروں کے حقیقی معنے آپ ہی آپ کھُل جاتے ہیں کیونکہ امکانی طور پر اگر دونوں فقرں کو تمدنی مانکر بھی معنے کئے جائیں۔ تو دو ہی قسم کے متوازی ترجمے ہو سکتے ہیں۔

(۱) (میرے) خاوند نے میرے ساتھ مباشرت نہیں کی۔ اور نہ میں بدکار (کنچنی) ہوں۔

(۲) (میرے) خاوند نے میرے ساتھ مَسِ تمدنی پیدا نہیں کیا (اور اس طرح اُس نے میرے ساتھ مباشرت نہیں کی) اور نہ میں (قومی طور پر) بدکار ہوں (کہ اُس کے ساتھ ایسی حالت میں مباشرت کروں)

صورتِ اوّل میں مَس کا ترجمہ براہِ راست مباشرت کرنا پڑتا ہے اور دوسری صورت میں ضمنی طور پر۔ اس لئے صورتِ اوّل کے معنے قطعی طور پر غلط ہیں۔ اور نہ صرف لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ کے بیان کردہ معنے غلط ہیں۔ بلکہ لَمْ اَكُ بَغِیًّا کے بیان کردہ معنے بھی ساتھ ہی قطعی طور پر غلط ہیں۔ لاجرم طوعاً کرہاً ماننا پڑے گا۔ کہ صورتِ دوم والے معنے ہی فصیح ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کہ جب مریم علیہا السلام کو فرشتوں کی طرف سے بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت ملی۔ تو اُس نے درگاہِ الٰہی میں ایک عذر کھڑا کر دیا۔ کہ یا الٰہی میرے

ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ میرے خاوند نے میرے ساتھ
مس تمدنی نہیں کیا (حالانکہ نکاح ہوچکا ہے اور نہ میں اپنے خاندان
کی رسموں کے معیار کے مطابق) اپنی خاندانی رسموں سے باغی ہوں۔
کہ اس حالت میں میں وہ بات کر گزروں ؟ ۔

دفعہ ۳۴

جب مریم علیہا السلام نے امتناع محل کے بارے میں عذر کھڑا کر دیا
تو اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ ال عمران میں سوال کے
بعد معاً درج ہے :۔
قَالَ كَذَٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے مریم اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کیا کرتا ہے۔
جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے۔ تو بس اُسے فرما دیتا ہے۔ کہ ہو۔
اور وہ ہو جاتا ہے۔ گویا عذر کو کاٹا ہی نہیں ۔

نوٹ ضروری

اس جگہ کذالکِ کا لفظ عربی خاص طور پر توجہ کے قابل ہے
اس قدر فصاحت دنیا کی اور کسی زبان میں نہیں۔ کہ ذرا ذرا سے باریک
فرقوں کو زیروں زبروں پیشوں سے ادا کر دیا جائے۔ کذالکِ کے معنے
خالی "اسی طرح" یا "ایسا ہی" نہیں ہیں۔ بلکہ کِ کا لفظ ضمیر واحد مونث
مخاطب صیغہ ہے۔ جو اس میں اس غرض سے بڑھایا گیا ہے۔ تاکہ اس
میں نہ صرف بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت کا اشارہ پایا جائے۔ جیسا کہ

کذٰلک کے عام معنوں کے مطابق (ایسا ہی کے لفظ میں جو کَذٰلِکَ۔ کذٰلِکَ
کذا میں مشترک معنے ہیں) پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس میں مریمؑ کے جواب کے ساتھ
ایک مطابقت کرتا ہوا اشارہ بھی پایا جاوے۔ گویا اللہ تعالےٰ نے مریمؑ کے عذر
کو صحیح تو قرار دیتا ہے۔ لیکن مَسّ طبعی کو مَسِّ تمدنی کے عدم و وقوع کی حالت
میں ناجائز اور غلط قرار نہیں دیتا۔ اگرچہ یہ ایک بڑی دقیق بات ہے۔ لیکن
اللہ تعالےٰ نے اس بات کو ایک تمثیل کے ساتھ سمجھایا ہے:-

اور ایسا کرنے میں اللہ تعالےٰ رحمٰن الرحیم نے امتِ محمدیہ پر خصوصاً
اور اُمتِ عیسوی پر عموماً ایک بڑے فضل کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں
آیاتِ ذیل:-

یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ٭ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰی
یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ○ قَالَ کَذٰلِکَ ٭
قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا
(سورۃ مریم پارہ ۱۶ قال الم رکوعؑ کی ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں آیات مبارک
جن کا ترجمہ یہہ ہے) خدا نے فرمایا۔ اے زکریاؑ ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری
دیتے ہیں جس کا نام ہوگا یحیٰیؑ۔ اور اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی
آدمی پیدا نہیں کیا۔ زکریاؑ نے بتقاضائے بشریت عرض کیا کہ اے میرے
پروردگار میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ اور حال یہہ ہے کہ میری
بی بی تو بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی حدِ غایت کو پہنچ گیا ہوں۔ فرمایا
ایسا ہی (اے زکریاؑ) تمہارا پروردگار فرماتا ہے۔ کہ تم کو اس عمر میں بیٹا دینا ہمارے

لئے آسان ہے اور (اس سے) پہلے تم ہی کو ہم نے پیدا کیا۔ حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے

یہہ وہ آیات ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بیان کے معاً پہلے اللہ تعالےٰ نے نظیر کے طور پر آپ ہی فرمائی ہیں۔ ہم نے اس مقام پر اختصار کے لحاظ سے صرف تھوڑا سا ٹکڑا درج کیا ہے ہمارے ناظرین دونوں ٹکڑوں کو مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام دونوں صاحبوں کی پیدائش کا حال بالکل ایک دوسرے کا متماثل ہے جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت سنکر دو عذر اٹھائے ہیں۔ اسی طرح مریمؑ نے بھی دو عذر اٹھائے ہیں۔ اور پھر جس طرح حضرت یحییٰؑ کی پیدائش میں دونوں عذروں میں سے ایک عذر خاوند کی ذات کے متعلق ہے۔ اور دوسرا بیوی کی ذات کے متعلق۔ اسی طرح مریمؑ کے بیان کردہ عذروں میں سے بھی ایک مریمؑ کے خاوند کی ذات کے متعلق ہے۔ اور دوسرا مریمؑ کی اپنی ذات کے متعلق۔ جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ اس جگہ ہم یہہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح حضرت زکریاؑ کے جواب میں جو مرد ہے اللہ تعالےٰ نے کذالک کا لفظ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے جواب میں جو عورت ہے اللہ تعالےٰ نے کذالک کا لفظ فرمایا تھا۔ اور پھر جس طرح حضرت زکریاؑ کو فرمایا۔ قال ربّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ

اِسی طرح سورۃ مریم میں اللہ تعالےٰ نے مریمؑ کو فرمایا۔ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ الخ (اسی ضمنی مماثلت سے ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ یا تو دونو کی پیدائش مافوق الفطرت ہے۔ یا دونوں کی فطری گو دونوں ایک حد تک مایوسانہ ہے)

الغرض جس طرح پہلی صورت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت یحییٰؑ کے بارے میں حضرت زکریاؑ کے جواب میں کذالک کا لفظ بولکر (نہ کہ صرف کذا کا لفظ بولکر) یہ جتلا دیا۔ کہ تیرا عذر درست کر دیا جاوے گا۔ کیونکہ یہہ کوئی اَنْ ہونا عذر نہیں ہے۔ اُسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں حضرت مریمؑ کے جواب میں کذٰلک کا لفظ بولکر (نہ کہ صرف کذا کا لفظ بولکر) یہ جتلا دیا۔ کہ تو سچی ہے۔ لیکن تیرے عذر کو درست کر دیا جاوے گا۔ چنانچہ کلام اللہ شریف کے دیگر مقامات پر دونوں عذروں کی درستی اور تلافی کا یوں ذکر ہے۔ اولاً حضرت زکریاؑ کا فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۚ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ پارہ ۱۷ اقترب للناس سورۃ الانبیاء رکوعؑ کی پندرھویں آیت:۔

دوم حضرت مریمؑ کا۔ جو سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوعؑ کی سولھویں آیت یعنی حضرت زکریاؑ والی آیت کے بعد کی آیت جیسا کہ فرمایا:۔

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

اللہ اکبر

بلکہ اِس سورۃ انبیاء میں دیگر انبیاء کے عذروں کی تلافی کا بھی ذکر ہے۔ جیساکہ فرمایا۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (رکوع کی چوتھی آیت) اور پھر فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ الخ (رکوع کی پانچویں آیت) اور پھر اِن تمام انبیاء کے ذکروں کے بعد اُن کا ایک اجماعی بیان ہے:۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○

اسی رکوع کی آخری آیت سے پہلی آیت:۔

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک ہی طرز کی ہے:۔

اور پھر یہ وہ سورت ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بلا باپ پیدا ہونے کے عقیدہ کو لغو ٹھیرانے کا ازسرِنو ضمنی طور پر اعادہ فرمایا گیا ہے۔ جیساکہ فرمایا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ رکوع کی سولھویں آیت:۔

الغرض جس طرح اللہ تعالےٰ نے اِس سورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کے دونوں عذروں کی صرف ایک علاج سے تلافی کردی۔ جیساکہ (واصلحنا لہٗ زوجہ سے ظاہر ہے) اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم کے دونوں عذروں کی تلافی صرف ایک علاج سے کردی۔ اور وہ یہ ہے (فنفخنا فیہا من روحنا)

اِس جگہ ھا کا کلمہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ جو مریم کی ذات کے متعلق ہے۔ اور مریمؑ کے کسی خاص عضو کی طرف اس کا میلان نہیں ہے۔ گویا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مریمؑ پر نفخِ روح ہوُا اور اس کے عذر کی تلافی ہوگئی۔ یعنی وہ حاملہ ہوگئی :۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نفخِ روح کس قسم کا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح اُس کی بات کی تلافی کی :۔

دفعہ ۲۴

ہم اِس بات کو دفعہ ۱۵ میں بھی لکھ آئے ہیں۔ اور اِس جگہ دوبارہ لکھتے ہیں۔ کہ جس نفخِ روح کا ذکر اِس سورت کی اس آیت میں ہے۔ اس کی تفہیم اور تعمیل کا ذکر کلام اللہ شریف کے دو دیگر مختلف مقامات میں بالتصریح موجود ہے :۔

جن میں ایک بطریق اجمال اور دوسری میں بطریق تفصیل مذکور ہے۔ اور اس میں بفضلہ تعالیٰ اِس چوتھی آیت شریف کا مکمل حل لکھا جاتا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے دفعہ ۱۸ میں کیا ہے (فحملتہ فانتبذت بہ مکاناقصیًّا) سورۃ مریم پارہ ۱۶ قال الم رکوعؑ کی ساتویں آیت۔ دیکھو دفعہ ۱۸)

ہم موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لئے ناظرین کی سہولیت کی خاطر دونوں مقاموں کو کالم بہ کالم لکھتے ہیں :۔

سورۃ تحریم پارہ ۲۸ رکوع ۲ کی آخری آیت	سورۃ مریم میں مریم کے بیان کا شروع
وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ۝	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝
دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تو ہم نے ان کے پیٹ میں اپنی قدرت سے ایک روح (کلام) پھونک دی۔ اور انہوں نے اپنے پروردگار کی کلام اور اسکی کتابوں کی تصدیق کر دی	ترجمہ:۔ اور اے پیغمبر تو قرآن میں مریم کا مذکور بھی لوگوں سے بیان کر و کہ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب رُخ ایک جگہ جا بیٹھیں۔ اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح (کلام) کو ان کی طرف بھیجا۔ تو وہ اچھے خاصے مریم کے خاوند (جس کے مردانہ اعضا ساتھ تھے) کی شکل بن کر اُن کے روبرو آکھڑے ہوئے۔ وہ اُن کو دیکھ کر لگیں کہنے۔ کہ اگر تم پرہیزگار ہو۔ تو میں تم کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ) اس پر وہ مرد ممثل (مثالی خاوند) بولے۔ کہ میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ تم کو

ایک پاک لڑکا بخشوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہوسکتا ہے۔ حالانکہ نہ تو مجھے مرد نے مس تمدنی سے بہرہ یاب کیا اور نہ میں اپنے خاندان کی ناک کاٹنے والی ہوں (کہ اسی حالت میں اس سے صحبت کروں) اس نے کہا۔ اس طرح۔ تیرے رب نے کہا۔ کہ بیٹا پیدا کرنا ہم پر آسان ہے اور تاکہ لوگوں کے لئے ہم اس بیٹے کو اپنی نشانی بناویں۔ اور وہ دنیا میں رحمت کا باعث ہو اور یہ بات ہمارے ہاں فیصل ہوچکی ہے۔ پس اس بات کو مریم نے اٹھالیا۔ اور اسے لیکر کہیں دور کے مکان میں جا بیٹھیں :	اور وہ ہمارے فرماں بردار بندوں میں سے تھیں ۱۔

۱ اب ناظرین خود غور فرما سکتے ہیں۔ کہ ان دونوں مقاموں میں ایک ہی بیان کیا گیا ہے۔ اِدھر (ومریم ابنت عمران) ہے اُدھر (واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا) ہے۔ اِدھر (التی احصنت فرجھا) ہے (اُدھر) (فاتخذت من دونھم حجابا) ہے۔ اِدھر (فنفخنا فیہ من روحنا) ہے۔ اُدھر (فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی ۔۔ وکان امراً مقضیا) ہے۔ اِدھر (وصدقت بکلمت ربھا وکتبہ) ہے اور اُدھر (فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیًّا) ہے۔ اور اِدھر (وکانت

من القٰنتین) ہے۔ ادھر (فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا) ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب مریم کو بشارت مل چکی۔ اور اس نے درگاہ ایزدی میں عذر بھی پیش کر دیا۔ کہ میرے ہاں لڑکا کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خاوند مجھے اپنے گھر نہیں لیگیا۔ تو اللہ تعالے نے اس پر بذریعۂ الہام یہہ امر منکشف کر دیا۔ کہ اس حالات میں مجامعت کا ہونا جائز اور ممکن ہے۔ اور اس کی ترکیب یوں فرمائی۔ کہ اُس نے اپنے کلام اور ارادے کو انسانی جامہ پہناکر اس کے خاوند کی شکل پر لا کھڑا کیا۔ درحالیکہ وہ پورا مرد تھا (اور بالکل تنہا اور اکیلا تھا) مریم کو ان کے دیکھنے سے استعجاب پیدا ہوا۔ اور وہ لاحول پڑھنے لگیں۔ لیکن اس کا مثالی خاوند کب ہٹنے والا تھا۔ اُس نے آگے بڑھکر جھٹ کہدیا۔ کہ میں خدا کے حکم سے تیرے پاس آیا ہوں تاکہ (اپنے نطفے سے) تجھے بیٹا بخشوں۔ اس پر وہ مریم جو تاڑ گئی تھیں۔ کہ یہہ میرا حقیقی خاوند نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال میں صرف اس کا شبیہ ہے۔ کہدیا بھلا میرے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ جب کہ میرا مرد مجھے گھر نہیں لیگیا (اور اُس نے میرے ساتھ مقاربت نہیں فرمائی) اور نہ میں ایسی ہوں۔ کہ اپنے خانداں کے دستور کے خلاف (اُس سے مقاربت کرنے کو دوڑ جاؤں) اس پر اُس مثالی خاوند نے کہا۔ اس طرح دیکھ اے مریم تیرے خاوند کی اور تیری مقاربت اسی حالت میں اس طرح مباح اور ممکن ہے (تیرا پروردگار فرماتا ہے۔ کہ یہ بات مجھ پر آسان ہے۔ اور اس طرح بیٹا پیدا کرنے سے غرض یہ ہے۔ کہ ہم دنیا میں ایک نمونہ قائم

کریں۔ اور اپنی رحمت کا سایہ لوگوں پر ڈالیں۔ اور ہم نے اِس بات کا فیصلہ کر لیا ہُوا ہے۔ اِس بات کو سمجھ کر مریم پھر دور کے مکاں میں چلی گئیں

اللہ تعالےٰ نے اِس جگہ جو کچھ فرمایا ہے۔ اس میں تین باتیں غور کے قابل ہیں :-

اوّل فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرًا سویًّا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے (خدا تعالےٰ نے) مریم کی طرف اپنی کلام متمثل کر کے روانہ فرمائی۔ اور اس کی شکل ٹھیک اس کے خاوند کی سی تھی (جیسا کہ لہا بشراً سویا) سے ظاہر ہے۔ اِس جگہ بشر اور سویا دونوں الفاظ قابل غور ہیں۔ اور بشر سے مراد اس کا خاوند اور سویا سے مراد ایسا مرد ہے۔ جو فرشتوں کی طرح اعضائے رجولیت سے اور قوت رجولیت سے بے بہرہ نہ ہو۔ کیونکہ فرشتوں میں نہ مردوں کے سے اعضائے ہوتے ہیں۔ نہ عورتوں کے اور وہ سویا یعنی ثابت پورے اعضاؤں والے نہیں ہوتے۔ لیکن مریم کا بشر مثالی پورے اعضاؤں والا تھا۔ اور اس کے اعضاؤں کے پورا تندرست ہونے کا یقین مریمؑ کو بھی تھا (اسی سبب سے بعض مفسرین لکھتے ہیں۔ کہ جب وہ مرد مریمؑ کے پاس آیا۔ تو مریمؑ اکیلی ہو کر نہا رہی تھی۔ اور وہ بھی اکیلا ہی اس کے پاس آگیا تھا

حضرت مریمؑ نے اس سے خدا تعالےٰ کی پناہ مانگی تھی۔ اس مقام پر

اس سے پہلے

جبکہ مریمؑ نہانے اور کپڑے پہننے سے فارغ ہو کر اپنی اکیلی الگ بیٹھی ہوئی تھی۔

وقفہ ۵

دوسری بات جو قابل غور ہے۔ وہ کذالکِ ہے۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے عجیب صنعت رکھی ہے۔ کہ کذالکِ کے بعد وقفہ ہے

جس کے تین مطلب ہیں (۱) اول تو یہہ کہ فرشتے نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ دوم
جو عذر تو نے درگاہِ الٰہی میں میرے آنے سے قبل کیا تھا۔ یا کر چکی ہے۔
(جیساکہ سورۃ آل عمران کے [illegible] سے ثابت ہے۔ اور جس کی
تشریح ہم اوپر کر آئے ہیں [illegible] کا مطلب یہ ہے [illegible] کہ
اِس حالت میں تجھے عمرو سے مقاربت کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور
اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے۔ تیسرے اس کو وہ بات اشارے
سے بھی سمجھا گیا ؛

اِس تیسری بات کا ثبوت یہہ ہے۔ کہ کذٰلک کے بعد کلام
مجید میں وقفہ ہے۔ اور اتنا ہی فقرہ ہے۔ اس کا فعل فاعل ندارد ہے
اس لئے ہمارا اختیار ہے۔ کہ اس کے تمام ممکن معنے اِس جگہ چسپان کر
لیویں۔ اور اُن ممکن معنوں سے ایک معنے یہہ بھی ہیں۔ کہ اس مرد مثالی
نے اشاروں سے اور نمونوں اور حرکات سے سکنات سے اعمال سے
افعال سے مثالوں سے نمونوں سے اُسے کچھہ سمجھا دیا ؛ اور اس کی
علت غائی بھی بیان فرمادی۔ کہ چونکہ اللہ تعالےٰ کو منظور ہے۔ کہ وہ
اپنی پیشینگوئی کو پورا کردکھلائے۔ اِس لئے اس نے مجھے تیرے پاس بھیجا
ہے کہ میں تجھکو پیشینگوئی ہاتھ سے پورا کرنے کی ترکیب سمجھادوں۔ اور
اس بات میں کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا۔ بلکہ اِس مثال کے قائم کرنے
سے دنیا میں ایک رحمت نازل ہوگی ؛

تیسرے فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیًا کے فقرے قابل

غور رہیں۔ اللہ تعالٰی نے اس بارہ میں بھی اپنی قادر الکلامی کا ثبوت
بین دیا ہے۔ کہ صَدَّقَتْ کے مقابل پر حَمَلَتْ کا لفظ فرمایا ہے جس
سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جسطرح صَدَّقَتْ کا فعل ایک فعل
اختیاری کا اظہار فرمارہا ہے۔ اسی طرح فحملته کا فعل بھی فعل
اختیاری ہونا چاہئیے۔ اور امکانی طور پر اس کے دو ہی معنے ہیں۔ ایک
تو یہ کہ مریم نے اس کلام کو اٹھالیا۔ اور مان لیا۔ اور راضی ہو گئی۔ کہ
میں مرد مثالی کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گی۔ اور اس بات کے
پورا کرنے کے لئے پھر وہ حقیقی خاوند کی مقاربت حاصل کرنے کے
لئے کسی دور کے مکان میں چلی گئی۔ جیساکہ حرف ف کے معنوں سے
ظاہر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت کہ حَمَلَ کے یہ معنے بھی ہوا کرتے
ہیں۔ کلام اللہ شریف کے پارہ ۲۲ وَمَنْ یَّقْنُتْ سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب کے
رکوع کی پانچویں آیت میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ درج
فرمائے ہوئے ہیں:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۠

دوسرے اس کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ جب اپنے خاوند کے پاس جاکر اس
نے الہام کے منشا کے بموجب اس سے حمل کرا لیا۔ تو پھر حمل کرا کر

وہاں سے بھی آگے چلی گئی۔ (جیساکہ انجیل سے بھی معلوم ہوسکتا ہے اِس بات کا اشارہ آگے آتا ہے)۔

خلاصہ

دفعہ ۴۶

جو کچھ ہم کو لکھنا تھا۔ وہ تو بفضلِ خدا ہم لکھ چکے ہیں۔ اب ناظرین سے التماس ہے۔ کہ وہ اِن استدلالات کو غور سے مکرر سہ کرر پڑھیں اور اُن پر خوب تدبر فرماویں۔ اِس طرح اُن کو معلوم ہوگا کہ دو زبردست آیات میں موجودہ عقیدے کا منفی بیان ہے۔ اور ضمنی طور پر اشارۃً فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا منشا کیا ہے اور وہ دونوں مقامات یہہ ہیں:۔

(۱) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔

(۲) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۔

اِن میں یہہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو۔ اور اُن یہودیوں پر لعنت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو مریم پر بہتان باندھتے تھے۔ اِن دونوں آیات کو یکجائی طور پر سوچنے کے بعد یہہ نتیجہ نکلتا ہے۔ (جبکہ ادھر سے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اور ادھر سے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ مریم پر بہتان باندھنے والوں پر اللہ تعالےٰ لعنت ڈالتا ہے) کہ اگر اللہ تعالےٰ کا منشا

اس کو بن باپ کے پیدا کرنے کا ہوتا۔ تو اس کی تین ہی صورتیں تھیں
کہ ایک تو آپ اس کا باپ بنتا۔ یہہ صورت پہلی سورۃ کے روسے ناممکن
ہے۔ دوسرے یہہ کہ مریم بدکار ہوتی۔ یہہ صورت دوسری آیت کے
روسے ناممکن ہے۔ تیسرے یہہ کہ وہ خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے
ہوئے سمجھے جائیں۔ اس صورت کو سورت اخلاص اور آیت لعنت بہیئت
مجموعی کہا جاتی ہے۔ کیونکہ اول تو قدرت سے خود بخود پیدا ہونا اور
خدا کے حمل سے پیدا ہونا مخالف کے لئے ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ قدرت
خدا اور خدا دونوں غیبی باتیں ہیں۔ اور دوسرے خدا کو مفتی ہونیکی
حیثیت میں (اور بنا برآں) ہمیں یہودیوں کو دلائل سے مغلوب کرنے میں
کوئی حق نہیں پہنچ سکتا۔ کہ ہم ان پر یہہ فتوے جاری کریں۔ وَقولھم
علی مریم بہتاناً عظیماً ؛

پس ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ضرور بالضرور
مریم کا خاوند ہونا چاہئیے۔ اگر ان میں سے ایک آیت (وقولھم علیٰ
مریم بہتاناً عظیماً) نہ ہوتی۔ تو ہم ایسا خیال کرنے کے مجاز تھے۔ کہ
اعتقاد کے طور پر مان لیتے۔ کہ بیشک حضرت عیسیٰؑ قدرت سے ہی پیدا
ہوئے ہونگے۔ لیکن جب اس بارے میں علی مریم بہتاناً کا فتوے
جاری ہو چکا ہے۔ تو بحیثیت مفتی ہونے کے خدا کا حق نہیں رہتا۔ کہ
وہ ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور فرماوے کہ ضرور تم عیسیٰ کو محض
محض قدرت خدا سے ہی پیدا ہوا سمجھ لو :-

اِسی طرح دو زبردست آیات میں اللہ تعالےٰ نے مثبت طور پر اس کا بیان فرمایا ہے۔ اور وہ دونوں مقامات یہ ہیں :۔

(۱) وصدقت بکلمات ربھا وکتبہ وکانت من القٰنتین :۔

(۲) فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیّاً :۔

اِن دونوں آیات سے اِس عقیدے کے مثبت پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ جن میں سے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مریم نے الہام الٰہی کو اپنے ہاتھ سے پورا کیا اور دوسری سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے خاوند سے اُس حالت میں حمل کرالیا۔ جبکہ اس کی شادی تو ہو چکی تھی لیکن اُس کا خاوند اُس کو اپنے گھر نہیں لے گیا تھا۔ اور ایسا کرنے سے مریم قوم کے نزدیک باغی ٹھیرائی گئی تھی۔ جیساکہ اس کی قوم نے طعنہ مار کر کہہ بھی دیا تھا۔

فاتت بہ قومھا تحملہٗ قالوا یٰمریم لقد جئت شیئاً فریّا۔ یٰاخت ھارون ماکان ابوك امرأ سوءٍ وما کانت امك بغیّاً ط

ترجمہ :۔ اس پر مریم علیہا السّلام اپنے بیٹے کو اپنی قوم کے پاس اٹھالائیں۔ اور وہ دیکھکر کہنے لگے۔ کہ مریم یہہ تو نے بہت ہی نالائق کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا۔ اور نہ تیری ماں بری عورت تھی۔ (تو خلافِ خاندان تو یہہ کیا حرکت کر بیٹھی یہہ تیرا بیٹا تیرے کس کام آئے گا)

دفعہ ۷

اِس جگہ مریم کی قوم نے ضمنی طور پر مریم کو سو اور بغی کے لفظ سے ملقب کیا۔ اگر اِس جگہ بغی کے معنے کنجنی کے کئے جائیں تو معاذ اللہ مریم پر قوم کی طرف سے بہتان لگانا ثابت ہوتا ہے اور پھر خدا کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ؎

سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل
چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

کے مطابق یہاں ہی مریم کی قوم کو لعنتی ٹھیراتا۔ مگر اس نے مریم کو بات کرنے سے بھی روک دیا ہوا ہے۔ اہاہا۔ اہوہوہو:۔

کیا خدا عمداً زبردستی یہودیوں کو لعنتی بنانا چاہتا ہے:۔

پس یہہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ بغی کے معنے یہاں کنجنی کے نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ اس پاک خاندان میں جو مستحبات میں نوافل میں بھی بڑی سرگرمی وکوشش سے اللہ تعالےٰ کی احکام کی خوشنودی حاصل کرنے والا تھا۔ یہہ امر کہ مریم نکاح کے بعد اور خاوند کے گھر میں جانے سے پہلے ہی خاوند سے حمل کرلئے ان کے ہاں معیوب تھی۔ اور اُنکے خاندان کی ناک کاٹنے والی بات تھی اور بس۔ پھر قوم کی تسلی اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں فرمائی:۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ○

سورۃ مریم رکوع ۲ کی آیات ۱۴ او ۱۵ او ۱۶ و ۱۷ وغیرہ جن کا مطلب یہ ہے

(جب قوم نے اصرار کیا۔ تو مریم آپ نہ بولی) اور اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا (کہ اسی سے پوچھ لو) قوم نے کہا کہ ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے۔ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عنایت فرمائی ہے۔ اور مجھے نبی بنایا اور کہیں بھی رہوں (خواہ یہاں تمہارے پاس خواہ اپنے باپ کے گھر میں) اس نے مجھے بابرکت کیا۔ اور اس نے مجھے حکم دیا۔ کہ عمر بھر نماز پڑھاؤں اور زکوٰۃ دیا کروں۔ اور اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمتگزار بنایا (اے میری ماں کی قوم تو مت ڈر۔ میں اپنی ماں کو چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے والا نہیں ہوں) اور مجھے اس نے سخت گیر اور بدراہ نہیں بنایا۔ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن بھی خدا کی امان ہے۔ اور میری وفات پانے کے دن بھی امان ہے۔ اور اس دن جبکہ میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھا کر کھڑا کیا جاؤں گا۔ اس دن پر بھی خدا کی امان ہے۔

ناظرین اس مقام پر اس جواب سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ قوم کے پاک لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیسی عمدگی سے قائل

کرا دیا۔ اور وہ کیسے قائل ہوئے۔ کہ ہوں تک نہیں کی۔ جبکہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کو بھی نیک ثابت کر دیا۔ اور اُن
کی تسلی بھی کر دی۔ کہ میں اپنی ماں کا خدمت گزار رہوں گا۔ اور کہا۔ کہ
اے میری ماں کی قوم تو میری طرف سے مریم کا فکر مت کر۔ اُس کی
خدمت کا میں ذمہ وار ہوں۔ (چنانچہ واقعہ صلیب کے وقت بھی
اس نے اپنی ماں کے بارے میں اپنے ایک شاگرد کو اپنی مان کا مکفل
ہونے کی وصیت فرمائی تھی۔ جیسا کہ انجیل شریف میں لکھا ہے۔ اور
پھر کلام اللہ شریف میں لکھا ہے۔ وکانا یاکلان الطعام۔ جس سے
ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اکٹھے بھی روٹی کھایا کرتے تھے)

اس مقام پر یہ بات سوچنے کے قابل ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ
علیہ السلام دلائل کے ساتھ اپنی پیدائش کی بریت نہ فرماتے۔ تو قوم
انہیں اسی وقت زندہ درگور کر دیتی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا
جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کی پیدائش مبارک تھی۔ اس
جگہ اُس وہم کا ازالہ خودبخود ہو جاتا ہے۔ جو بعض لوگوں کے دل میں
کھٹکتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی ماں کا خدمتگزار
ہونے کا بیان کیوں فرمایا ہے:۔

جواب صاف ہے۔ جس حال میں قوم بھی مریم کی قوم ہے
اور فکر بھی مریم کی قوم کو لاحق ہوا ہوا ہے۔ کہ ایسی عجیب پیدائش
والے بچے کا حال سن کر کون مریم کی خدمت گزاری کرے گا۔

جبکہ بیٹا بھی ماں کا بیٹا ہونے سے کترائے گا۔ اور لوگ بھی مریم کو طعنہ دیں گے۔ کہ تو نے کیوں خاوند کے گھر میں لیجائے جانے سے پہلے ہی اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اب وہ خدا جانے لوگوں کے ڈر کے مارے تیری اور تیرے بچہ کی پرورش اچھی طرح کرے یا نہ کرے (جیساکہ انجیل میں میں لکھا ہے۔ اس پر اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ نہ چاہا کہ اُسے تشہیر کرے۔ اس نے ارادہ کیا۔ کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے پر جب ان باتوں کی سوچ ہی میں تھا۔ تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر ہوکے کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر۔ کیونکہ جو اس میں پیدا ہوُا۔ روح القدس سے ہے)

نوٹ

اس جگہ اپنی جورو کا لفظ جو فرشتے نے بولا۔ قابل غور ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتہ بھی یوسف اور مریم کا مقاربت کرنا مانتا تھا۔ ورنہ وہ یہہ لفظ (اپنی جورو) نہ بڑھاتا:۔

اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر ضروری ہوا۔ کہ وہ مریم کی قوم کے سامنے کم از کم اپنی ماں کا خدمتگزار رہنے کا اقرار تو کردے تاکہ قوم کو تسلی ہو۔ اور ان کو مریم کی خدمت وغیرہ کی طرف سے اطمینان تو ہوجائے۔ حضرت عیسیٰ نے چونکہ یہہ کلمہ اور اقرار ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ اس کا جواب بھی انہی

قدر ہو۔ جس قدر کہ سوال ہے۔ چونکہ قوم کو اس بات کا فکر بھی نہیں ہے
کہ وہ یوسف کی خدمتگزاری کا بھی فکر کرنے لگ جائیں۔ اس لئے انہوں
نے مریم ہی کی خدمتگزاری کا اظہار اشارۃً حضرت عیسیٰؑ پر کیا ہے۔ اور
اسی کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنی ماں کی
خدمتگزار ہونے کا اور رہنے کا حال سنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں
نے برًا بوالدتی کا کلمہ بولا ہے۔ کیونکہ اس موقع پر اتنا ہی ضروری تھا۔

آخری التماس

دفعہ ۸۴

آپ ناظرین صاحبان سے آخری التماس ہے۔ کہ میں نے
نہایت اختصار کے ساتھ عجلت اور شتاب روی کی وجہ سے اپنی کتاب
کا خلاصہ کر کے جو ایک ہزار صفحے کی کتاب ہے۔ موٹی موٹی باتیں
بیان کر دی ہیں۔ اور زیرکوں سعید الفطرتوں کے لئے کافی ہیں۔
لیکن ہم التماس کرتے ہیں۔ کہ آپ اسی مسئلے کو انجیل میں بھی دیکھنے
کی کوشش فرماویں۔ جیسا کہ میں نے بھی اپنی بڑی کتاب میں اس
مسئلہ کو نہ صرف قرآن شریف سے بلکہ انجیل شریف سے بھی مفصل۔ واضح
اور مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار
کی صلب سے تھے۔ اور اس جگہ ہم بتا دیتے ہیں۔ کہ جس طرز اور
طریقے سے اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو قرآن

شریف میں فرشتوں کی ننگی تلوار کے پہرہ کے اندر بیان فرمایا ہے۔
اور قرآن میں تدبر نہ کرنے والے لوگ اصلی اور صحیح مسٔلہ سمجھ ہی نہیں
سکتے۔ یہی طرز انجیل شریف میں بھی اختیار فرمائی گئی ہے۔ ہاں اتنا
فرق ہے۔ کہ قرآن شریف میں تو سارے دلائل منفی اور مثبت
یعنی سلبیہ اور ثبوتیہ دونوں دیئے گئے ہیں۔ تاکہ چوں وچرا کی کوئی
گنجائش ہی نہ رہے۔ لیکن انجیل شریف میں صرف مثبت دلائل
ہی ہیں۔ چنانچہ ادھر سے آیت لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ اور ادھر سے وقولہم
علیٰ مَرْیَمَ بُہْتَانًا عَظِیْمًا کے مقابل پر انجیل شریف میں کوئی آیت نہیں
ہے۔ اور لم یمسسنی بشر کے مقابل پر اتنا موجود ہے۔ کہ "میں مرد
کو نہیں جانتی"۔ لیکن اس کا اصلی مفہوم ظاہر کرنے کے لئے جو اللہ
تعالےٰ نے قرآن شریف کے ایک دوسرے مقام پر جیسے سے ولم
اک بغیًا کا فقرہ درج کر دیا ہے۔ اس کے مقابل پر انجیل شریف
میں کوئی فقرہ نہیں ہے:۔

لیکن اور سب باتوں میں انجیل شریف اور قرآن شریف کی طرز ایک ہی
ہے۔ اور دونوں کتابوں میں اکثر مقامات پر حضرت یحیٰی علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نرالی پیدائشوں کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور جو
الفاظ یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ وہی حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ اور جو کارروائیاں
حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہی حضرت مریمؑ کی طرف منسوب

گئی ہیں اور اس طرز کو نہ صرف قرآن شریف نے احسن طریقے سے نباہا ہے (جیساکہ ہم سورت مریم کی تفسیر کرتے وقت اشارۃً اوپر کچھ بیان کر بھی آئے ہیں) بلکہ انجیل شریف نے بھی اسے نہایت عمدہ طریقے سے نبھایا ہے۔ چنانچہ منجملہ دیگر باتوں کے ایک یہہ بات بھی غور کے قابل ہے :۔

حضرت زکریاؑ کا حال	حضرت مریم کا حال
اور ایسا ہوا کہ جب اس کی خدمت کے دن پورے ہوئے۔ وہ اپنے گھر گیا۔ اور ان دنوں کے بعد اس کی جورو الیسبات حاملہ ہوئی :۔	مریم نے (فرشتے کو) کہا دیکھ خاوند کی باندی میرے لئے تیرے کہنے کے موافق ہووے۔ اور فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔ اور انہیں دنوں مریم اُٹھکر جلدی سے کوہستان میں یہودا کے ایک شہر کو گئی۔ اور زکریا کے گھر میں داخل ہو کے الیسبات کو سلام کیا۔

اس مماثلت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت زکریا کے اپنے گھر میں جانے سے انجیل شریف نے جس واقعے کا شرم کے مارے اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اسی واقعہ کا مریم کے کوہستان کے ایک شہر میں جانے سے اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ جبرئیل فرشتے نے حمل ہونے کے بارے میں مریم کو سمجھا دیا تھا۔ کہ روح القدس تجھ پر اُتریگی۔ اور خداتعالےٰ کی قدرت

کا سایہ تجھ پر ہوگا۔ اور اُس سبب سے وہ قدوس بھی جو پیدا ہوگا۔ خدا کا بیٹا کہلائیگا۔" اور روح القدس کے اُترنے کا حال قرآن شریف میں بالتفصیل درج ہے۔ اور انجیل شریف میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔

الغرض کیا انجیل شریف اور کیا قرآن شریف دونوں میں اِس واقعہ کا بوجوہ احسن ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ان میں اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ زبانیں مختلف ہیں۔ طرز بیان مختلف ہے۔ اپنے اپنے موقع پر فصاحت بلاغت دونوں میں ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دونوں ہی میں اجمال اور تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ درج کیا گیا ہے۔ یعنی کمال فصاحت اور حکمت عملی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ بیان بھی کیا گیا ہے۔ اور چھپا بھی لیا گیا ہے۔ انجیلوں کے بیان کا تو یہ حال ہے۔ کہ انجیلیں چار ہیں۔ اور اِس واقعہ کے متعلق اظہار و اخفا میں ایک عجیب طرز اختیار کی گئی ہے ایک واقعہ کی تفصیل ایک انجیل میں ہے۔ تو دوسری میں یا تو بالکل نہیں۔ یا اس کا صرف اجمالی بیان ہے۔ تیسری میں طرز ہی روحانی ہے۔ چوتھی میں اس کی جسمانی شکل بیان فرمائی گئی ہے۔ گویا چاروں انجیلیں حروف ابجد کا قفل ہیں۔ اگر بہیت مجموعی بعد تدبر و کاوش اُن پر غور فرمادیں۔ تو اصلی مسئلہ سمجھ میں آتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ اگر کوئی جلد بازی سے فرداً فرداً ایک ایک انجیل کو پڑھے۔ تو اُسے معلوم ہوگا۔ کہ سچ مچ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلا باپ ہوئی۔ اور اگر کوئی آدمی کامل تدبر اور یکسوئی کے ساتھ پڑھے۔ تو اس پر اصل

مسئلے کی حقیقت کھلے گی۔ گویا جو کام گورنمنٹیں خفیہ پولیس سے لیتی ہیں۔ وہی کام اللہ تعالےٰ نے تعددِ اناجیل سے لیا ہے۔

یہی طرز قرآن شریف نے اختیار فرمائی ہے۔ اس میں جا بجا مختلف موقعوں پر اس واقع کو عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ کہیں اجمال ہے کہیں تصریح ہے۔ کہیں تفصیل ہے۔ کہیں توضیح ہے۔ کہیں تشریح ہے اور عجیب شان کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس جگہ ہم نے طوالت کے خوف سے آیات کے شانِ نزول اور سیاق اور سباق کا کامل ذکر نہیں فرمایا۔ اور اختصار کی وجہ سے جلدی جلدی لکھدیا ہے۔ لیکن اگر سیاق و سباق کا بھی کامل ذکر کیا جاوے۔ تو اللہ تعالےٰ کی قادر الکلامی اور اعجاز بیان پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ کیونکہ جس غرض سے جس قدر ٹکڑے کا بیان جس جس موقع پر کیا گیا ہے وہاں اتنا ہی مناسب ہے۔ مثلاً سورۃ تحریم میں جہاں مریم علیہا السلام کے نفخ روح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہاں اللہ تعالےٰ کا منشا حضرت محمد صاحب صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو جنہوں نے پیغمبر صاحب کے کسی راز کا افشا کر دیا تھا۔ نصیحت کرنا منظور ہے۔ اور وہاں چار عورتوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ حضرت نوحؑ کی بیوی کی جو غرق ہو گئی تھی۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی جو کھمبا بنگئی تھی۔ اور فرعون کی نیک بی بی کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرمائی تھی۔ اور مریم کی جس نے اپنی عصمت کو نگاہ رکھا تھا:

پھر ایک اور عجیب بات یہہ ہے۔ کہ جس قدر استعارے اس

سئلے کے متعلق کلام اللہ شریف میں پائے جاتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام انجیل شریف میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جس طرح قرآن شریف میں روحانی حمل اور جسمانی حمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ایسا کرنے میں اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں استعاروں کو برتا ہے۔ اسی طرح انجیل شریف میں نہ صرف حمل جسمانی کی اصطلاح کا ذکر ہے۔ بلکہ حمل روحانی کی اصطلاح کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ (رسولوں کے اعمال کتاب یعقوب باب اوّل آیت ۱۵) سو خواہش جب حاملہ ہوئی۔ تب گناہ پیدا کرتی ہے۔ اور گناہ جب تمامی کو پہنچا۔ موت کو جنتا ہے:۔

سو اسی اصطلاح کے بموجب جناب متی علیہ السلام نے نہ صرف روحانی حمل کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ حمل جسمانی کا بھی اشارۃً۔ اور عجیب انداز سے کیا ہے۔ توریت شریف میں ایک جگہ آتا ہے۔ تو اپنے باپ کی برھنگی یا اپنی ماں کی برھنگی ظاہر نہ کر۔ کہ وہ تیری ماں ہے احبار باب ۱۸ آیت ۷۔

اور پھر توریت شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کی بابت ذکر ہے۔ کہ آپ نے اپنے ایک بیٹے کنعان کو اس وجہ سے بد دعا دی کہ اس نے آپ کی برھنگی نہ چھپائی تھی۔ جیسا کہ تورات پیدائش باب ۹ آیت ۲۲ لغایت ۲۷ میں درج ہے۔ اور دوسرے کو دعا دی۔ جس نے برھنگی پر پردہ ڈالا تھا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا۔ اور اپنے دونوں بھائیوں کو جو باہر تھے۔ خبر دی۔ تب سام اور یافث نے

ایک کپڑا لیا۔ اور اپنے دونوں کاندھوں پر دھرا۔ اور پچھلے پاؤں جاکے اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا۔ پر ان کی پیٹھ اُن کی طرف تھی۔ کہ انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا۔ جب نوح اپنی مے کے نشے سے ہوش میں آیا۔ تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ معلوم کیا تب وہ بولا۔ کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ پھر بولا۔ خداوند سام کا خُدا مبارک۔ اور کنعان اس کا غلام ہوگا۔ خدا یافث کو پھیلا دے۔ اور وہ سام کے ڈیروں میں رہے۔ اور کنعان اس کا غلام ہو؛۔

اس مقام پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہے۔ کہ ماں یا باپ کی مباشرت کا ذکر کرنا یا اُن کی ننگی باتوں کا ظاہر کرنا بھی بیحیائی میں داخل ہے۔ اور روح القدس کی تلقین کے بالکل برخلاف ہے؛۔

اِسی کے مطابق رسولوں کے اعمال میں بھی درج ہے (رسولوں کے اعمال۔ افسیوں باب ۵ آیات ۳) (اور حرامکاری اور ہر طرح کی ناپاکی یا لالچ کا تم میں ذکر تک نہ ہو۔ جیساکہ مقدس لوگوں کو مناسب ہے) پس اسی اصول پر انجیل کا وہ مقام جہاں لکھا ہے۔ کہ آپ کے اکٹھے آنے یا اکٹھے ہونے سے پیشتر مریم حاملہ پائی گئی"۔ یہاں اکٹھا ہونا خلوت صحیحہ سے مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی خلوت صحیحہ کا بیان کرنا روح کی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہاں اکٹھا ہونے سے مراد ان کا تمدنی طور پر اکٹھا ہونا ہے۔ یعنی گھر میں آباد کرنا۔ جس میں خلوت صحیحہ عام طور پر یہودیوں

میں بلا خوف و خطر کیجا سکتی ہے۔ اور گھر میں آباد کرنے سے پہلے بھی خلوت صحیحہ جائز ہے۔ لیکن عام طور پر معیوب گنی جاتی ہے۔ گو خدا کے نزدیک معیوب نہیں :-

پس انجیل شریف میں اسی توجیہ کی بنا پر یوسف اور مریم کی مجامعت کا ذکر نہایت لطیف پیراؤں اور استعاروں سے کیا گیا ہے۔ جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اور یہی فتوے قرآن شریف کا ہے کہ لا یمسہ الا المطھرون :-

ہم نے اِن تمام حالات کو مفصل طور پر اپنی بڑی کتاب میں لکھکر ثابت کیا ہے۔ کہ اس بارے میں قرآن شریف اور انجیل شریف بالکل ایک ہی منبع سے نکلی ہوئی ثابت ہوئی ہیں۔ اور یہہ ممکن ہی نہیں۔ کہ کوئی انسان اس قدر مختلف شان نزول کے ساتھ ایک مکمل قصہ بہئیتِ مجموعی بیان کرے۔ کیونکہ جن واقعات کی بنا پر اس خاص قصے کا نازل ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ انسان کی احاطۂ قدرت سے باہر ہیں۔ ایک عائشہؓ کے بہتان کا قصہ ہی خیال میں لاؤ۔ کیا اللہ تعالےٰ نے عبث ہی اپنے پیغمبر کے حرم میں اس کا وقوع میں آجانا ضروری خیال فرمایا تھا۔ اور کیا اس واقعہ سے مومن لوگ سبق نہیں سیکھ سکتے۔ کہ حضرت محمد صاحب نے جو چند دن حرم محترم سے سلسلۂ کلام و اختلاط منقطع کر لیا تھا۔ اور اسی طرح اپنی فطرت صحیحہ کا اظہار کیا تھا۔ کیا یہہ قصہ موجودہ غلط عقیدے کی بنیاد پر بہتان مریم کے جواز کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ڈالتا ہے۔

دفعہ ۴۹

الغرض قرآن شریف اور انجیل مقدس کی یہہ ساری باتیں ایسی ہیں۔ کہ ان میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں ہی الہامی کتابیں ہیں۔ اور ان کی شدید مماثلت اس بات کو بالبداہت ثابت کرتی ہے۔ کہ دونوں ہی ایک چشمے سے نکلی ہوئی ہیں: پس اگر انجیل شریف کلام الٰہی ہے۔ تو قرآن مجید بھی کلام الٰہی ہے۔ اور اگر قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ تو انجیل شریف بھی ہے:۔

ہم نے اشارتاً اس بات کا تذکرہ کردیا ہے۔ کہ تلوار کے اٹھلنے کی پیشینگوئی جو جو دۂ احسن قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں نہ صرف پوری ہوئی۔ بلکہ قرآن کا ایک پہلو اس کو جلالی رنگ میں پیش کرکے اپنی صداقت کا معیار ٹھہراتا ہے:۔

پھر دونوں کتابوں یعنی انجیل شریف اور قرآن شریف کی تعلیم کا چرچا آجتک چلا آتا ہے۔ اور بوجۂ احسن چلا آتا ہے۔ اور ان دونوں کے نزول کے مدّت میں کوئی چھ سو سال کا فرق اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہہ دونوں مختلف کتابیں کسی کمیٹی نے افترا کے طور پر تحریر نہیں فرمائی ہیں۔ بلکہ اس اتحاد سے ان کا منجانب اللہ ہونا بوجوہ احسن ثابت ہے۔ اور کسی دہریہ کو بھی یہہ شک نہیں رہتا۔ کہ بشریہ انسانی افترا نہیں ہیں:۔

اور پھر اگر اس بات کا خیال کیا جاوے۔ کہ حضرت محمدؐ صاحب

کوئی فاضل اجل نہیں تھے۔ نہ کوئی شاعر تھے۔ آج حدیثوں میں آپکی کلام موجود ہے۔ اور حجم میں آپ کی حدیثیں کلام اللہ شریف سے کوئی دس گنا موجود ہیں۔ اُن کے کسی ایک فقرے میں بھی وہ شوکت۔ وہ سطوت وہ فصاحت۔ وہ بلاغت۔ وہ قادر الکلامی نہیں ہے۔ جتنی کہ قرآنِ کریم کے ایک چھوٹے فقرے میں ہے۔ ہمارا ارادہ تھا۔ کہ صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معنے مکمل طور پر لکھکر ثابت کرتے۔ لیکن پھر بھی اختصار کے طور پر لکھتے ہیں۔ کہ کس طرح قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے عیسوی تثلیث کو توحید کا جامہ پہنایا ہے۔ (اللہ۔ اس کا ذاتی نام ہے۔ الرحمٰن۔ اس کا پہلا وصفی نام ہے۔ اور اُس وصف کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ مخلوقات پر بلا خیال عوضانہ وشکرانہ اپنا سایہ رحمانیت و فضل ڈالتا ہے جسکو عیسوی اصطلاح میں ابنیت الٰہی کے نام نامی سے پکارا گیا ہے۔ جیساکہ قرآن نے بھی وقالو اتخذ الرحمن ولداً کہکر اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ عیسائی صاحبان عیسیٰؑ کو رحمٰن کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور انجیل میں بھی آتا ہے۔ "خداوند خدا نے دنیا سے ایسا پیار کیا۔ کہ اُسے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا"۔ اور پھر الرحیم اس کا دوسرا وصفی نام ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی مخلوقات پر اس وقت رحم فرماتا ہے۔ جب کہ اس کو انکے اعمال کے بدلے انپر خاص الخاص فضل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیساکہ اُس نے تمثیل کے طور پر حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا بھی ہے وَمَرْیَم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا وصدقت بکلمٰت ربھا وکتبہ

فکانت من القنتین۔ کہ اس پر نفخ روح محض اس وجہ سے کیا گیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اسکی پاکبازی پسند آئی۔ خدا تعالےٰ کے اس وصفی نام کو انجیل شریف میں روح القدس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ گویا جو مطلب باپ بیٹے۔ روح القدس کا ہے۔ وہی اللہ۔ الرحمن الرحیم کا ہے۔ لیکن موخر الذکر اصطلاحات صرف خاص الخاص لوگوں کو سمجھ میں آسکتی ہیں اور ناپاک لوگوں کے خیال میں شرک مجسم کا جامہ پہن لیتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی آخری کتاب میں یعنی قرآن شریف میں اُن اصطلاحات کو ترک ہی فرما دیا ہے۔ اور پھر سورۃ الحمد کے ابتدا ہی میں دنیا کے دوسرے بڑے سلسلۂ مذہب یعنی (ہندو۔ بودھ۔ جین۔ آریہ۔ سناتن وغیرہ کے متفق علیہ مسئلہ) تناسخ کی اصلیت کا پتہ دیا ہے۔ (اور بتایا ہے۔ کہ تناسخ کی کیا حقیقت ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی آیات میں اللہ تعالےٰ نے اپنے ذاتی نام کے بعد اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہی صفات دنیا کا کارخانہ چلا رہی ہیں :۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ :۔ ہر آن ہر مکان میں کل دنیا کے تمام نظاموں کا پرورش کرنا اس کا کام ہے :۔

اَلرَّحْمٰنِ :۔ ہر آن ہر مکان میں کل کائنات پر بلا خیال معاوضہ احسان فرماتا ہے :۔

اَلرَّحِیْمِ :۔ ہر آن اور ہر مکان میں کل کائنات کے افراد کو اُنکے

نیک اعمال کا نیک نتیجہ بخشتا ہے ؛۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؛۔ ہر آن اور ہر مکان میں کل کائنات کے افراد کو نہ صرف نیک و بد اعمال کا نیک و بد نتیجہ بخشتا ہے۔ بلکہ بُرے اعمال اور نیک اعمال کے تسلسل کا اور اُن کے نتائج کا بھی وہ محافظ اور مالک ہے ؛۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا کا نظام موجودہ اپنے واقعات قدیمہ کا معلول ہے۔ اتفاق حسنہ۔ اعمال حسنہ۔ حیثیت حسنہ کی گوناگونی سے جو اس وقت دنیا کے طبقے پر انسانوں کے افراد میں ان کی نیک و بد حالت کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان سب کی تہ کے اندر یہہ چاروں صفتیں بہیئتِ مجموعی کام کر رہی ہیں۔ پس موجودہ ہیئتِ دنیا کی علت خدا تعالےٰ کی ان چاروں صفتوں کا بہیئت مجموعی جلوہ افروز ہونا ہی ہے۔ نہ کہ مفروضہ تناسخ۔ کیونکہ انسان قدیم نہیں ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ حضرت یحییٰ کو فرماتا ہے۔ الی خلقتك من قبل و امتك شيئًا اور انجیل شریف میں بھی آتا ہے۔ ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ یوحنا باب اول آیت ا)

یا یوں کہو کہ انسانوں کے مدارج میں جو موجودہ اختلاف نظر آتا ہے انکی یہہ وجہ نہیں ہے۔ کہ ہر انسان قدیم ہے۔ اور ہر ایک کی روح قدیم ہے۔ (کیونکہ تمام انسانوں اور انکی روحونکا خواص میں متحد ہونا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ان سب کی اصل ایک ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ طور پر اپنی قدیم ہستی نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ان میں اور اُنکے

خواص میں اتحاد نہ ہوتا۔ بلکہ ہر ایک انسان اپنے اندر الگ خواص رکھتا۔ کسی کے ہاتھ نہ ہوتے۔ کسی کو پاؤں کی ضرورت نہ ہوتی۔ کسی کا قد زمین کے برابر ہوتا۔ کسی کا سورج کے برابر۔ کوئی غذا کھا کر جی سکتا۔ کوئی پتھر کھا کر۔ کوئی مٹی چاٹ کر۔ کسی کو کھانے کی حاجت ہی نہ ہوتی) بلکہ صرف اس وجہ سے کہ خدا جامع چار صفات ہے۔ ربوبیّت کا۔ رحمانیّت کا۔ رحیمیّت کا۔ اور سب سے آخر مالکیت کا۔ ربوبیت اور رحمانیّت کے اثر سے تو اختلاف کم پڑتا ہے۔ لیکن رحیمیت اور مالکیت کے اثر سے انسانوں کے مدارج میں اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے :۔

پس ہر انسان کی پیدائش اس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ خدا کی رحمانیّت (خدا کے فضل کے رنگ میں) اور خدا کی رحیمیّت (زوجین کی باہمی محبت یعنی مقاربت کے رنگ میں) جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اس تصریح سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے باپ کا ماننا لازم آتا ہے۔ جس کو مریم کے حق میں اللہ تعالےٰ نے ایک مقام پر صَدَّقَتْ اور دوسرے مقام پر حَمَلَتْ کے فعل سے ظاہر کیا ہے :۔

قطع نظر اس کے یہہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ کوئی انسان دو متماثل اشیاء کے اتحاد کے بغیر ہی پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ کارخانہ قدرت کی تمام کائنات موجود وجود اور مقدار کے لحاظ سے صفر کے برابر ہے۔ اور اپنی ذات میں خدائے کلام کا مظہر ہے۔ اس کے حق میں اللہ تعالےٰ نے یہہ ایک جامع اور پر معنی اصول فرمایا ہے۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

تمام چیزیں ہم نے دو قسم کی بنائی ہیں۔ تاکہ تم لوگ اس بارے میں غور کرو گے اس کا ذکر کرو (پارہ ۲۷ سورۃ الذاریت۔ رکوع ۳ کی دوسری آیت)
اسی اصول سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ کارخانہ کائنات ایک جہت سے صفر کے برابر ہے۔ اور ایک لحاظ سے لاانتہا کے برابر ہے۔ یہہ بڑی دقیق بحث ہے۔ اور اس بحث کا یہہ مقام نہیں۔ یہاں صرف اتنا لکھا جاتا ہے۔ کہ اگر یہہ مانا جاوے۔ کہ مریم کو بلا خاوند حمل ہو گیا تھا۔ تو نہ صرف خدا کی رحمانیت پر بٹہ لگتا ہے۔ بلکہ اس کی رحیمیت پر بھی۔ اور اس کی توحید پر بھی۔ یعنی اس کے (وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہونے کی صفت پر بھی بٹہ لگتا ہے۔ اور اس کی خالقیت پر بھی۔

اب ہم اپنی بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اور قائل کا ذہن صرف ایک آیت کے متعلق منتقل کرتے ہیں۔ کہ وہ برائے خدا قرآن شریف کی صرف ایک آیت لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ پر بھی غور فرماوے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس میں کس قدر اسرار بھرے ہیں۔ کیا یہہ تمام اسرار والی کلام ایک مفتری کے منہ سے نکل سکتی ہے۔ حاشاً و کلاً :۔

دفعہ ۵۰

الغرض ولادت مسیح کے بارہ میں قرآن شریف کے اندر اللہ تعالےٰ نے انجیل کے دلائل سے بڑھکر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن یہہ سب روشنی اُن کے لئے ہے۔ جن کا دل معرفت کے نور سے بھرا ہوا ہے۔ لفظ پرستوں کے لئے نہیں ہے :۔

جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا بھی ہے۔ اور پھر فرماتا بھی قرآن کریم کے اس مقام پر ہے۔ جہاں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ابتدائی ذکر مبارک شروع کرتا ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران رکوع کی آیت چھٹی یعنی ٹھیک اس محکم اصول (ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء والخ جس کی تشریح ہم دفعات ۲۳ لغایت ۳۴ میں بخوبی کر آئے ہیں) کے تذکرے کے بعد۔ اور یہ وہی دوسرا اصول ہے جس کے تذکرے کرنے کا اقرار ہم نے دفعہ ۳۵ میں کیا تھا:۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚوَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ

ترجمہ:۔ اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے۔ جس نے تم پر یہہ کتاب اتاری۔ جس میں سے بعض آیتیں پکی (صاف اور صریح) ہیں۔ کہ وہی اصل کتاب ہیں۔ اور بعض دوسری مبہم ہیں (جن کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں) اور جن لوگوں کے دل میں کجی ہے۔ وہ تو ان باتوں (اور ان معنوں) کی پیروی کرتے ہیں۔ جو اصلی معنوں کے متشابہ ہوتے ہیں (یعنی اُن معنوں کی جو لفظ پرستی کی گنجایش پر نکل سکتے ہیں۔ اور معاندانہ منافقانہ اور وکیلانہ حیثیت سے ایک رنگ میں غلط معنے ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ ان غلط معنوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور محکم آیات کے فتووں کا کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ گویا قرآن شریف کا سیاق اور آگا پیچھا دیکھنے

کے بغیر ہی ایک غلط معنے کر کے اس کی تابعداری کرتے چلے جاتے ہیں) اور یہہ بات وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ فساد برپا کریں۔ (خدا کے دین محکم کو غلط پیرائے میں بیان کریں) اور اپنے (من گھڑت) معنے اُن کے لئے تجویز کریں۔ حالانکہ اس کے اصلی اور صحیح معنے خدا کے سوائے کسی کو معلوم ہی نہیں ہوتے لیکن اس مقام پر یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ خدا نے متشابہات کے علم سے اپنی مخلوق کو بے بہرہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نے ایسی راہیں بتائی ہیں۔ جن پر چلکر اللہ تعالےٰ انسان کو اپنی مرضی سے مطلع فرماتا ہے۔ اور پھر اپنی کلام کے معنے بھی اُسے سمجھاتا ہے۔ جیساکہ وہ خود فرماتا بھی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ مع المحسنین (پارہ ۲۱ سورۃ العنکبوت رکوع ۷ کی آخری آیت شریف جس کا ترجمہ یہہ ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے دین میں کوششیں کیں۔ ہم بھی ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کا ساتھی ہے۔ جو خلوص دل سے نیک عمل کرتے ہیں۔ یا غربا پر احسان کرتے ہیں۔

اور پھر ایک مقام پر فرماتا ہے۔ کہ ہم اس پر روح القدس بھی نازل فرماتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر بھی نازل ہوا تھا۔ جیساکہ فرمایا ہے۔ (پارہ ۲۸ قد سمع) سورۃ مجادلہ کے آخری رکوع ۳ کی آخری آیت:۔

لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولٰئک کتب فی

قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه ویدخلهم جنت تجری من تحتها الانهار خلدین فیها۔ رضی الله عنهم و رضوعنه اولٰئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون ۝

ترجمہ۔ اے پیغمبر جو لوگ اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ ان کو تو تم نہ دیکھو گے۔ کہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ دوستی رکھیں۔ گو وہ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبے کے ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ پکے سلمان ہیں۔ جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا نقش کر دیا ہے اور اپنے روح (کلام یا فیضان فیضی) سے اُن کی تائید کی ہے۔ اور وہ اُن کو بہشت کے ایسے باغوں میں لے جا داخل کرے گا۔ جن کے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ خدا اُن سے خوش وہ خدا سے خوش۔ یہی خدائی گروہ ہے۔ سنو جی۔ خدائی گروہ ہی آخر کار فلاح (نجات) پائیگا۔

سو اسے ناظرین صاحبان میں امید کرتا ہوں۔ کہ آپ صاحبان غور اور تدبر سے اس کتاب کو پڑھیں گے۔ اور جب آپ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ تو وہ آپ کو آپ ہدایت فرماوے گا۔ اور تمکو صحیح مسائل کے سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائیگا۔ مجھکو جو کچھ لکھنا تھا۔ میں نے اختصار کے طور پر لکھدیا ہے۔ اب غور فرمانا یا نہ فرمانا آپ بزرگوں کا کام ہے اب ہم اس کو ختم کرتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں:۔

صدق الله العلی العظیم وصدق الله الرسول الکریم

اور دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ آیات متشابہات کے معنوں کے بارے میں خود ہی دعا مانگنے کی ترکیب بھی فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۹ کی آخری دو یعنی ساتویں آٹھویں آیت ہیں:-

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب
ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد

ترجمہ:- اے پروردگار ہمارے ہم کو راہ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانوا ڈول نہ کر۔ اور اپنی سرکار سے ہم کو رحمت کا خلعت عطا فرما۔ کچھ شک نہیں کہ تو بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو ایک نہ ایک دن جس کے آنے میں کسی طرح کا شبہ ہی نہیں۔ لوگوں کو اعمال کی جزا سزا کے لئے اکٹھا کرے ہی گا۔ (تو اس دن ہم پر مہر کی نظر رہے) بے شک اللہ (تعالیٰ) وعدہ خلافی نہیں کرتا:- آمین

خاتمہ

اب ہم سب سے آخیر میں قرآن شریف کے اُس مقام کا اقتباس کرتے ہیں جس میں اللہ تعالےٰ نے جلی قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا دو طرفہ ذکر خیر فرمایا ہے۔ مبارک وہ جو اس مقام کو شوق سے پڑھیں۔ پارہ ۷، سورۃ الانعام رکوع ۱۰ کی پہلی پانچ آیات مقدسہ

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ۞ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ کُلًّا هَدَیۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَیۡنَا
مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡسُفَ وَمُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ ؕ
وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۞ وَزَکَرِیَّا وَیَحۡیٰی وَعِیۡسٰی وَاِلۡیَاسَ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۙ
وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَالۡیَسَعَ وَیُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ
وَذُرِّیّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ ۚ وَاجۡتَبَیۡنٰهُمۡ وَهَدَیۡنٰهُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۞

ان آیات شریف میں ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذریت داؤد سے بتایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ہم اس جگہ منطقی پیچوں میں پڑنا نہیں چاہتے۔ صرف مومنوں کا شوق پورا کرنے کے لئے ہم نے وہ مقام تبلا دیا ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ذکر ہے۔ اس مقام پر آدمؑ کا ذکر نہیں۔ نوحؑ سے شجرہ شروع کیا گیا ہے۔ جس صاحب کے کان سننے کے ہوں۔ وہ سنے اور جس صاحب کی آنکھیں دیکھنے کی ہوں۔ وہ دیکھے:۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۞ آمین ؕ

سَلَامٌ عَلَیۡکُمۡ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تتمہ

اب آخیر میں اعادے کے طور پر ساری کتاب کا خلاصہ ٹوٹی پھوٹی غریبانہ نظم میں لکھدیا جاتا ہے۔ اور صرف اِس واسطے لکھا جاتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ کسی صاحب کو نثر کی بجائے نظم سے ہی زیادہ دلچسپی ہو۔ اور اِس طرح بعض صاحبان کو نظم میں جلدی اور اچھی طرح سمجھ میں آجاوے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ میں کوئی شاعر نہیں ہوں۔ اور نہ شاعری میرا شعار ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اِن شعروں میں شاعرانہ لطافتیں اور نزاکتیں اور نیرنگ خیالیاں نہیں ہیں۔ صرف ایک قسم کی ٹوٹی پھوٹی مقفیٰ عبارت ہے۔ امید ہے ناظرین اِسی پڑھکر محظوظ و متاثر ہوں گے۔ اور کمترین کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ اِس امر کا اظہار یہاں ضروری ہے۔ کہ نظم میں چند باتیں ایسی بھی درج ہو گئی ہیں۔ جو نثر میں بیان ہونے سے رہ گئی تھیں۔

سنیں کوئی صاحب جو میری پکار
سناؤں انہیں میں عجب اک پکار

بصد ادب کرتا ہوں میں التجا
سنے کاش کوئی یہہ میری پکار

اٹھو سونے والو سحر ہو گئی
زمانہ پڑا کرتا ہے یہہ پکار

کہ اِدھر کی دُنیا اُدھر ہوگئی نہیں ہوتے لوگ اب کیوں خبردار
اگر یہ ہے یہہ اک مُبارک سماں سماں روشنی کا ہے لیل ونہار
مُبارک زمانہ ہے فرخندہ وقت کہ ہے روشنی ہر طرف آشکار
علوم وفنوں کا ہے زور ہر طرف صلح آشتی کی ہے ہر سو پکار
زمانے میں ایسا بڑھا اختلاط مرنجاں مرنج سے ہیں کرتے پیار
تعجب ہے اِس روشنی میں بھی ضلالت سے دنیا ہے تاریک وتار
گرہن اک لگا روشنی میں ہے وہ کہ فطرت کو جس نے کیا تیرہ تار
صحیفہ فطرت میں ہے یہہ عیان کہ عورت کا ہی یہہ نہیں ہوتا کار
کرے پیدا اولاد تنہا ہی وہ وہ بن مرد ہو اگرے باردار
ولے کہتے مریم کو ہیں برملا درود و سلام اس پہ ہوویں ہزار
بدوں مرد کے ہوئیں وہ حاملہ وہ خاوند سے ہوئیں نہ تھیں باردار
بلا باپ عیسےٰ علیہ السلام وہ روح اللہ پیدا ہوئے ذیوقار
دیا کرتے کیڑوں کی بعضے نظیر جو پیدا ہوا کرتے ہیں بے شمار
نظیر اس کی انسانوں میں گو نہیں دلائل کا ہے جس پر سب انحصار
کہ ہو جائے عورت کو حمل آپ آپ کریں آدم و حوا ہی سے شمار
اگرچہ نہیں اس میں تنسیخ کچھ یہہ قانون ہے ظاہر و آشکار
ولے مانتا اس کو ہے اِک جہان کہ حمل اک ہوا تھا عجب آشکار
کہ صدیقہ مریم علیہا السلام بدوں مرد کے ہوگئیں باردار
ولے جب نہیں ملتی اس کی نظیر تو کہتے ہیں بعض اس کو پروردگار

انہیں بعض کہتے تھے زوجہ رب معاذاللہ جس سے ہوئیں باروار
ولے کہتے تھے بعض ایسا بھی کہ مریم تو در پردہ رکھتی تھی یار
عقیدہ تھے رکھتے نصارے یہود جب اسلام احمدؐ ہوا آشکار
یہہ راہیں ہیں افراط و تفریط کی نہیں دین اسلام کے جو شعار
ولے کہنا پڑتا ہے افسوس سے اب اسلامیوں کا یہی ہے شعار
کیا اہل سنت جماعت کے لوگ کیا شیعہ صاحب ہیں رکھتے شعار
عقیدہ وہ رکھتے ہیں بالاتفاق کہ مریم کا خاوند نہ تھا زینہار
نصارے ولے کہتے ہیں بر ملا یہی احمدیوں کا بھی ہے شعار
کہ خاوند تو مریم کا تھا اک ضرور پہ تھا حمل مریم میں نہ حصہ دار
وہ خاوند تھا گویا فقط نام کا مسیح ابن مریم کا تھا پاسدار
عقائد میں اُن کے ولے فرق ہے کریں کوئی صاحب نہ یکساں شمار
نصارے تو فرماتے ہیں ادب سے کہ مریم ہوئیں بعد کو یاردار
ولے اُن کی پہلے ہوئی منگنی یہودوں میں ہوتی نکاح ہے شمار
ہوا قوم سے اس قدر انحراف کہ مکلاوے کے بن ہوئیں باروار
مسیح ابن مریم تھا اکلوتا پسر کیونکہ وہ پھر نہ ہوئیں باروار
ولے احمدی کہتے ہیں کھول کھول کہ جب ہوئیں وہ غیب سے باروار
بیاہی گئیں ایک بڈھے کے ساتھ تا وہ ان کا ہو حمل نہ داغدار
تا محفوظ بد ظنیوں سے رہیں وہ طعنوں میں بھی ہوں نہ رسوا خوار
وہ رکھتا تھا اک بیوی آگے بھی اُسے آئی ایسے نکاح سے نہ عار

ہے یہہ غالباً نقلِ قولِ یہود
یہ ہیں راہیں افراط و تفریط کی
نہیں سمجھتے لوگ قرآنی بات
جو ہوں راہیں افراط تفریط کی
اِسی سے تھے مغضوب ہوئے یہود
اِسی سے نصاریٰ تھے گمراہ بنے
کیا فخر ہے اُمتِ خیر کو
جو ہیں مانتے محض نام ہی کا مرد
نہیں مانتے یا کہ خاوند ہی جو
وہ لگواتے مریم پر بہتان ہیں
وہ منواتے یا اس کو زوجۂ رب
وہ منواتے اس کا ہیں یا ایک یار
تدبر کریں لوگ قرآن میں
کریں غور پر اس میں اخلاص سے
سمجھ جائیں گے خود بخود جو ہے حق
وہ اللہ ہے ایک اور اللہ ہے پاک
وہ والد کسی کا نہ مولود ہے
یہہ ہے آیا اک دوسرے موقع پر
بھلا کوئی صاحب یہہ سوچیں ذرا

ملا اِس میں گو کہ ہے کچھ کچھ وقار
نہیں کوئی اسلام کا اِن سے کار
جو پہلے صفحے پر لکھی آشکار
نہ ہو دین اسلام کا اُن سے کار
جلا وطن و بے زر غریب و نادار
کریں کاش قرآن میں افکار
جو گمراہوں کا سا وہ رکھے شعار
جو تھا حملِ مریم میں نہ حصہ دار
وہ قدرت سے کہتے ہیں تھیں باردار
وہ منواتے ہیں اس کو پروردگار
معاذ اللہ جس سے ہوئیں باردار
کہ جو ہوا خلوت میں تھا زاردار
وہ اخلاص میں سوچیں با افتکار
اُسے ڈال کے دل میں پھر بار بار
نہاں جو ہے سب ہووے گا آشکار
یہہ کرتا ہے قرآن اِس میں پکار
نہ اس کا ہے ثانی کوئی زینہار
نہیں اس کی بیوی کوئی زینہار
خدا نے کیا اِس میں کیا آشکار

کیا ہے کوئی مانتا ولدِ رب ۔ مگر ولدِ صلبی کو کرنا شمار
کیا ہے کوئی مانتا صاحبہ ۔ مگر بیوی مدخولہ کرنا شمار
نہیں مانتا کوئی دنیا میں جب ۔ تو کرتا ہے قرآن پھر کیوں پکار
عقیدہ ہے یہ مانتا کون اب ۔ خدا کس کو سمجھاتا ہے بار بار
کیا چاہتا سمجھاتا ہے وہ ہمیں ۔ دہائی جو دیتا پڑا بار بار
زمیں چھان مارے کوئی ساری خواہ ۔ نہ پائے گا اک معتقد زینہار
نہیں معتقد کوئی دنیا میں جب ۔ نمازوں میں کیوں پڑھتے ہیں بار بار
نہیں مخفی اس میں اگر کوئی بھید ۔ اگر چھلکوں پہ ہی ہے اُس کا مدار
سناتا ہوں اب آپکو حق بات ۔ کریں آپ اللہ کرے اعتبار
کہیں مت بہکتا ہے دیوانہ یہ ۔ پڑا کرتا بک بک ہے دیوانہ وار
یہ ثابت پر ہو جائے گا آپ کو ۔ دوانہ بکارِ خود است ہوشیار
دلائل کی خاطر ہے سب اہتمام ۔ اگر چاہیں اس پر کریں اعتبار
خدا کا ہے منشا کہ خلقی ثبوت ۔ کرے حق کو سر بسر آشکار
مقشر ہو مغزِ حقیقت تا سب ۔ مجلا مصفا جلی آبدار
نچڑ آئے رس اور چھلکے الگ ۔ کریں کنہ اصلی کو وہ آشکار
سمجھ جاویں با سمجھ مقصودِ رب ۔ تا حمدِ خدا گائیں لیل و نہار
قوی ان کا ایمان ہو دن بدن ۔ تا محروم ان سے نہ ہوں ذی وقار
پھر اب حیف ہے اُمتِ خیر پر ۔ اگر اس کا چھلکوں ہی پہ ہو مدار
ولادت کو مافوق فطرت نہ مان ۔ یہی کہتا اسلام ہے بار بار

نہیں ہوتی تو لید تخلیق ہی
یہہ دونوں الگ ہونی چاہیں شمار

سب انسان مٹی ہیں گو فطرتاً
از آدم تا ایندم کریں خواہ شمار

نہیں مٹی عیسیٰ ہیں تولید میں
مگر مٹی ہیں خلقتاً ذی وقار

مشابہ تھے آدم کے وہ خلقتاً
ولادت کے رو سے نہیں زینہار

ولادت کو سمجھے نہ خلقت کوئی
ہے یہہ ہوتی بلکہ علیحدہ شمار

ولادت کا خلقت سے جھگڑا الگ
کریں ان میں گر بڑ نہ عالی تبار

کہیں مت کہ مریم کو تھا حمل غیب
اُسے غیری بھی نہ کہیں زینہار

ہلاکت کے دونوں ہیں یہ رستے
برابر ہیں ہو سکتے دونوں شمار

گو گندم نما جو فروشوں کا ایک
رہِ دیگر ہے دشمنوں کا شعار

بلاشک عقیدہ ہے اپنوں کا ایک
خوشامد یہ جو رکھتے ہیں انحصار

بظاہر ہیں بھرتے دمِ دوستی
یہ باطن میں ہیں آستیں کا وہ مار

اِدھر سے وہ فطرت کو ہیں کاٹتے
اُدھر سے غلو ان کا ہے اک شعار

عقیدہ ہے ایک اور نقصان دہ
کریں غور سب اس میں عالی تبار

بچو یار سے جو کہ نادان ہو
یہی کہتے دانا تو ہیں بار بار

جو مریم کا ہیں مانتے حملِ غیب
وہ نادان ہیں دوست عالی تبار

نہیں سمجھتے یہہ تو موٹی ہے بات
کہ غیبی ہو حمل اس کا کیا اعتبار

نہیں جبکہ دنیا میں کوئی نظیر
تو غیبی ہے ہو سکتا غیری شمار

بنزدیکِ دشمن کیا غیب و غیر
نہیں فرق ان میں کوئی زینہار

اُسے کس طرح غیبی منوائیں گے
کیا ہاتھوں میں پکڑینگے وہ ذوالفقار

کریں گے کیا منکروں کو وہ قتل
یہودی ہوا کرتے تھے جسطرح
یہ کب تک بہائیں گے خوں کی ندی
وہ کب تک گرایا کریں گے حمل
یہ جنت کے وارث وہ ہونگے کیوں
وہ مہدی کی پیشینگوئی جو ہے
مذاھب میں کیا اس کا مطلب ہے یہ؟
نصارٰے تو کہتے ہیں ہیں امن دوست
وہ کس منہ سے رکھتے ہیں ایسا خیال
بحالیکہ فطرت تو کانوں پہ ہاتھ
ثبوت اس کا فطرت میں ہرگز نہیں
اگر سوچیں فطرت خدا کا ہے فعل
مٹائیں گے امر خدا کس طرح
غرض حمل غیبی یقینی نہیں
دلائل تو فطری معاون نہیں
دلائل جو سنتا ہیں چاہتے صحیح
سنیں حمل ہو غیب یا غیر سے
نہیں سینگ ہوتے ہیں انپہ کوئی
ولادت کا انسان کی جب یہہ ہے حال

مسافر جلا وطن رسوا خوار
پرانے زمانے میں وہ بے دیار
اجاڑیں گے نسلوں کو وہ ذیوقار
چلی جائے گی تا بکے کارزار
اگر وہ اٹھائیں گے تیغ آبدار
کہ جیس میں ہے عیسیٰ کا بھی انتظار
کریں قتل و غارت پر لوگ انحصار
یہی احمدیوں کا بھی ہے شعار
جو فطرت کو کرواتے ہیں وہ خوار
بڑی رکھتی ہے زور سے بار بار
نہیں کرتی وہ اس کا ہے اعتبار
نہیں فعل ربی میں کیوں انحصار
مٹیں گے نہ کیوں ہو کے رسوا خوار
برابر ہے ہو سکتا ہے غیر شمار
عقیدوں پہ ہے سب کا پر انحصار
سناتا انہیں اب یہہ ہے خاکسار
وہ یکساں ہیں ہو سکتے دونوں شمار
نہ اسپر نہ اسپر کبھی زینہار
تو سیدھے کے عوض الٹا کیوں ہوشمار

لیوں ایک دوسرے پر ہو فوق
کھلا جس میں رہتا ہے شیطانی در
یہودی تو آگے ہی مشہور ہیں ..
پر اب اوروں کی بھی ہیں آنکھیں کھلیں
دیا نند صاحب نے لکھا ہے یہہ
وہ ہے ستیارتھ مقدس کتاب
ولے یہہ تو سارا ہے اُن کا قصور
جو مانیں تو مانیں فقط نام کا
اگر چاہیں بہتانوں کا کاٹنا
ہے کٹ سکتا بہتان اس حال ہیں
وہ دونوں ہوں اکدوسرے کا لباس
ولے مانیں جب ایک کا نہ وجود
اگر مانیں شوہر تو وہ نام کا
برابر ہے مانیں نہ مانیں اگر
نہیں دیتا عفت کا وہ ہے ثبوت
سنیں اور طرفہ عجب ایک بات
جو کہ سکتے ہیں آریہ صاحبان
نیوگن نہ کیوں مانیں مریم کو ہم
سمائیں گے پھولے نہ وہ آپ میں

کریں الٹے پر اب کیوں اعتبار
ہے ملسکتا بہتانوں کو جس میں بار
چلاتے ہیں بہتانوں کا اسپہ وار
وہ غفلت سے ہوئے ہیں اب ہوشیار
پڑھیں کاش پر کاش کو ایکبار
کہ جس پر ہے اک قوم کا انحصار
جو خاوند نہیں مانتے زینہار
ولے یہہ ہو خاوند نہ خاوند شمار
تو مانیں وہ شوہر سے تھیں باردار
میاں بیوی جبکہ ہوں عفت شعار
پھر عفت ہو کیوں ان میں نہ پہرہ دار
اکیلے کی عفت کا کیا اعتبار
فدا حمل میں جو ہو نہ حصہ دار
کہ ایسا ہو شوہر نہ شوہر شمار
ولے الٹا کرواتا ہے وہ خوار
یہی تو نرالی ہے طعنوں کی سار
کتاب اپنی پہ رکھکے وہ انحصار
جو بچہ جنا اس نے تھا آشکار
عجائب جو اُن کا ہے یہہ اک شکار

رہے گا نیوگ اُن کا قایم درست
نہیں کھا ہی سکتے ہیں وہ اب تو ہار

نہیں اپنا شہتیر ہم دیکھتے
پڑا ڈالتا آنکھوں میں ہے غبار

ذرا سا وہ تنکا یہ ہم دیکھکر
مخالف کو ہیں عبث کرتے خوار

دکھاتے انہیں آریہ دھرم ہیں
نیوگ اک ہوا جس میں ہے افتکار

کبھی سرمۂ چشم دیتے انہیں
نکل جائے آنکھوں سے اُن کی غبار

عقیدہ یہ جو رکھتے ہیں ہم غلط
نہیں آتی ہم کو تو اس سے ہے عار

اگر چاہیں کٹ جائے اُن کا نیوگ
عقیدے سے ہم پہلے ہوں شرمسار

وگرنہ کٹے گا نہ ہرگز نیوگ
جو شمشیرِ برہاں کی ہے تیز دھار

ہے دشمن کی تلوار شمشیرِ تیز
قرِنرم پہ ہم لیں اب اس کا وار

بنیں نرم کچھ ہم بنیں نرم وہ
بنیں ہم سب انصاف کے پاسدار

رہیں ظلم سے ہم سب اب دور دور
کہ دنیا کو ہے عدل سے ہی قرار

کئی سادہ لوح ہاں جو فرماتے ہیں
مسیح کی ولادت سے کیا ہم کو کار

نہیں جانتے ہے یہہ شرک کی جڑھ
اگر بے پدرِ عیسٰے نہ ہو زینہار

ولادت میں ایسی تو لپٹا ہے شرک
یہی تو ہے قرآن کرتا پکار

نہیں ممکن اس سے یہہ ہووے الگ
کرے جتن خواہ کوئی لاکھوں ہزار

ولے ایسا بھی کہتے ہیں چند لوگ
کہ چونکہ نہیں قصہ سب آشکار

ولادت مسیح کا بیاں گول مول
کرے کون قرآن میں افتگار

تو جائز ہے گر مانیں ہم جس طرح
تعمق سے ہم کو نہیں کوئی کار

نہیں جانتے ہیں کہ قرآن میں
تدبر کا کرتا ہے فرض آشکار

عقیدہ جو مشکوک رکھتے ہیں بعض　　یار رکھتے ہیں مخلوط عالی تبار
انہیں خود کو دھوکا لگا ایک تو　　بھٹکتے ہیں جس میں پڑے ذیوقار
دلے دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں　　کیا کرتے فطرت کو ہیں وہ خوار
نہیں غلطی جائز ہے اُس بات میں　　کہ جس پر ہو فطرت کا سارا مدار
اسی پر تو ہے فخر اسلام کو　　کہ فطرت صحیح اُس نے کی آشکار
کیا فخر ہے ایسے اسلام کو　　کہ فطرت کو یوں وہ کرے گر خوار
ہے اسلام فطرت بلا شک و ریب　　یہی کرتا قرآن تو ہے پکار
نہیں فرق اسلام و فطرت میں کچھ　　کہ جس پر ہے ہر بچّے کا انحصار
یہودی کریں خواہ نصاریٰ اُسے　　یہہ ہے والدینوں کا ہی اختیار
کریں آریہ اس کو خواہ دہریہ　　سناتن یا جینی کریں ذیوقار
دلے پیدا ہوتے ہیں فطرت پہ سب　　نہیں رکھتے ہیں وہ صلیب و زنّار
غرض فطرت اسلام ہے واقعی　　نہیں شک جس میں ذرا زینہار
نہیں دورُخی جائز اُس بات میں　　کہ جس پر ہو اسلام کا سب مدار
نہ بخشے گا اللہ کبھی شرک کو　　دُہائی ہے قرآن کی بار بار
اگر کوئی جیتے جی توبہ کرے　　جھکے طرف اللہ کی با انکسار
کرے گا خدا ایسی توبہ قبول　　گناہوں سے ہو کوئی جب شرمسار
سنیں آپ ایک اور پوشیدہ بھید　　کہ جس پر ہے اسلام کا انحصار
مناسب مقاموں پہ گر شک کریں　　یہہ ہے دین اسلام کا اک شعار
تقاضا ہے انسانی خصلت کا یہہ　　کہ جس سے نہیں باہر اہلِ وقار

وہ لے جو ہیں حد درجے کے متقی
وہ رکھتے ہیں دل ہی میں دل کا بخار

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہو دیں نسبک
خصوصاً جہاں حق ہو آشکار

بڑوں کی سیر ہیں سیر سے بڑی
تذبذب میں رہتے ہیں وہ شرمسار

کیوں دور جاؤ یہیں دیکھیں آپ
کہ کیسے ہوئے تھے نبیؐ بے قرار

جو پیش آگیا وہ ذرا حادثہ
گئیں پچھڑ جب عائشہؓ ایک بار

بنی مصطلق سے ہوئی جنگ جب
فتح پائے واپس ہوئے جب تیار

تب اس وقت سنہ ہجری تھا پانچواں
مقام ہوا رستے میں جب اکبار

مدینے کا تھا شہر بالکل قریب
جدھر کو اندھیرے منہ ہوئے تیار

حرم محترم گئیں بیت الخلا
وہ کھیتوں میں بھول آئیں منکوں کا ہار

وہ تھا ان کا اپنا نہ منکوں کا ہار
وہ لائی تھیں بہن اپنی سے مستعار

گئیں جب وہ واپس اُسے ڈھونڈنے
نکل آئی اونٹوں کی آگے قطار

وہ لے ساربان کو لگا نہ پتہ
نہیں عائشہ اونٹ پر ہیں سوار

کجاوہ لیا باندھ ویسا ہی بند
وہ خالی تھا جو اور پکڑی مہار

وہ واپس جو آئیں تھا خالی مقام
وہاں سے گئے لوگ سب تھے سدہار

وہاں پہلی جا پر گئیں بیٹھ وہ
لگیں کرنے خادم کا واں انتظار

محافظ تھا صفوان درعقب فوج
لگا کرنے پر چھائیں پر وہ پکار

اُسے ہوا معلوم ہیں عائشہ
کیا اونٹ پر ان کو اپنے سوار

لگا ادب سے چلنے آگے وہ آپ
پکڑ ہاتھ میں اونٹ کی لی مہار

گو تھی سیدھی یہہ بات دشمن مگر
لگے دینے طعنے وہاں آشکار

ریے میں جب پہنچیں وہ بعد میں
لے کرنے بڑھ بڑھ کے باتیں وہ لوگ
تھی خبر جن کو کہ منکوں کا ہار
ہاں لوگوں میں ایک چرچا ہوا
لے سب سے عبد اللہ مسطح بڑھے
ہوئیں مضمحل عائشہ فکر سے
بھی لگے رہنے اُن سے الگ
ہی غم میں دلگیر ہوئے نبیؐ
لگے غم سے گھلنے وہ تشویش میں
نہ تھا محرم عفت اُن کا وہاں
لگے پوچھنے مشورہ ایک دن
علی کو وہ تھے سمجھتے نفسِ خود
یہی بات قرآن میں درج ہے
گئے جب وہ مکے میں گھر ایک بار
لباس علی اوڑھا پھر آپ نے
محمد کی جا پر علی سو گئے
بنا جب کہیں سے ملی نہ انہیں
ابو بکرؓ و عمرؓ اور طلحہؓ زبیرؓ
بنایا نبی نے علیؓ کو اخی

چناں اور چنیں کی ہوئی اک پکار
جو سمجھی گئیں وہ شتر بے مہار
وہ نبجائے گا اک گلے کا ہی ہار
کئی لوگوں نے تب کی بڑھ کے پکار
حرم محترم ہوئیں رسوا خوار
وہ پہلے ہی بیمار تھیں بے قرار
چلی گئیں آخر کو میکے وہ ہار
کیا ہار کر پہ سکوت اختیار
نکالا نہ دل کا یہ دل سے بخار
نہ مونس نہ غمخوار نہ کوئی یار
علی مرتضٰے سے وہ آخر کو ہار
اُسے یاد وہ کرتے تھے بیٹا شمار
نبی نے جو جتلائی تھی جند یار
علی ہی کو دی اپنی چادر اتار ...
دیئے چل وہاں سے وہ مردانہ وار
علی نے محمد پہ کی جان نثار
مدینے کو جب وہ گئے تھے سدھار
وہ دو دو ہوئے بھائی بھائی شمار
علی اُن کے بھائی ہوئے پھر شمار

سوم بار نجراں کے عیسائی لوگ ۔ بلائے نبی نے تھے جب ایکبار
بلایا انہیں طرف اسلام کی ۔ دلیلیں سنائیں انہیں بار بار
پہ وہ ہوئے قائل نہ ہرگز وہاں ۔ بنے نہ وہ اسلام کے دیندار
مباہل بنیں آؤ بولے نبیؐ ۔ نبی ہوئے جب بددعا کو تیار
تمنا لگے کرنے وہ موت کی ۔ وہ ملعون ہوں جو ہوں تقصیروار
نبیؐ کے ہوئے ساتھ شامل علیؑ ۔ وہ ذاتِ نبیؐ میں ہوئے حصہ دار
چہارم دفعہ روزِ خم غدیر ۔ کہا تھا نبی نے یہی آشکار
صحابہ تھے موجود اُس روز سب ۔ کہ جن کو ہیں کہتے تھے ستر ہزار
یہ تعقبوں کا پڑتا ہے ایسا خیال ۔ کہ موجود اِک لکھ تھے چوبیس ہزار
نبیؐ نے پڑھا ایک خطبہ وہاں ۔ بلند ہو گئے پالانوں پر استوار
ہوں میں جس کا مولا ہے اُسکا علیؑ ۔ جو اس کا ہو دشمن وہ ہووے خوار
خدا نے بنایا خلیفہ انہیں ۔ علیؑ ہوئے نائب غرض چند بار
براءت کی سورت وہی لے گئے ۔ ابوبکرؓ کے عوض وہ کامگار
رسولِ نبیؐ ٹھہرے واں پھر علیؑ ۔ پیغمبر کے پیغام کے پاسدار
علی ہی نے توڑے جو بت تھے بڑے ۔ وہی جنگِ خیبر کے تھے علمدار
مبارز کی عربی جو کرتے طلب ۔ علی اکثر ہوتے تھے واں نامدار
ولید حنظلہ عتبہ روزِ بدر ۔ لڑائی کے جو ہوئے آ طلبگار
بروزِ اُحد طلحہ بن بی طلحہ ۔ لڑائی کو ہوئے جو آکے تیار
پہ غرورا نضیری یہودی جو تھا ۔ سرِ پر غرور اس کا ہوا آشکار

عمر عبد وُد کا تھا بیٹا دلیر
جو رستم تھا یا وہ تھا اسفندیار

مبارز کیا طلب خندق کے روز
بڑے فخر سے جس نے مردانہ وار

مرحب بمعہ بھائی حارث یہود
جو خیبر کے قلعوں کے تھے قلعدار

ابوجبردل آیا بجنگ حنین
مبارز کی اک کرتا ہوا پکار

علیؓ ہی کے ہاتھوں ہوئے قتل سب
یہہ سب پہلوان تھے بڑے نامدار

سلامت نہ زد سے وہ ان کی بچے
علیؓ کی بتہی تیغ تھی ذو الفقار

رسولِ خدا کی کیں وہ خدمتیں
علیؓ نے نبی کے جو تھے جاں نثار

کہ کہنا ہے پڑتا یہہ بے ساختہ
نبیؐ کا نہ ویسا تھا اک کاردار

نبیؐ نے تبہی تو تھا فرمایا یوں
نبیؐ موسئے ہو وہ ہو ہاروں شمار

نبیؐ نے کیا موقعِ افک پر
علیؓ ہی کو اپنا اخص راز دار

طلب اُس سے کی دوستانہ صلاح
رہیں تا ہمیشہ نہ وہ غمگسار

علیؓ تھے نبی کے مگر اک شفیق
وہ چاہتے تھے ہو ویں نبیؐ نہ خوار

کریں آپ جو چاہیں بولے علیؓ
ذرا پوچھ ہی دیکھیں آپ اکبار

شبہ گر ہو ثابت تو دیویں طلاق
رہیں آپ دائم نہ یوں غمگسار

تسلی نبیؐ کو ہوئی پھر وہیں
علیؓ نے نصیحت جو کی آشکار

بلایا نبیؐ نے حرم کو وہیں
وہ معہ لونڈی حاضر ہوئیں ذیوقار

اٹھا دونوں نے قسمیں تب یہ کہا
کہ واللہ نہیں عائشہؓ داغدار

تسلی پہ کامل نہ اُن کو ہوئی
وہ ویسے کے ویسے رہے بیقرار

وہاں چونکہ امکانِ بہتان تھا
گیا مل تھا شیطاں لعین کا جو دار

تسلی نہ گو ان کو فطرت نے دی
وے ہو گئے خرم و شاد کام
برأت کی بابت جو ہوا نزول
غلط عائشہؓ پہ یہ بہتان ہے
بتنگڑ جنہوں نے کیا بات کا
نبیؐ پر ہوئیں عائشہؓ گرچہ خوش
کشیدہ علیؓ سے وہ رہنے لگیں
نہ سوچ آئی ان کو وہ تھے بیگنہ
علیؓ سے تو پوچھا نبی نے تھا خود
وہ خادم نہ بینگنؓ کے تھے شیرمرد
نبیؐ کی وہ کاٹا نہ کرتے تھے بات
ملاتے وہ تھے ہاں میں ہاں ہی مدام
اِسی بات میں تو وہ منفرد تھے
عموماً وہ تھے کاٹتے اُن کی بات
اگر دوسرا ہوتا وہ دیتا کاٹ
مزاجِ نبیؐ کا تھا مظہر وہی
علیؓ گویا نفسِ نبی کے تھے ظل
اِسی بات کا سمجھنا مشکل ہے
اِسی سے ہیں مومن کے اُسوۂ نبیؐ

جو ہوا ہے اسلام کر لی شمار
خدا نے انہیں جب کیا خبردار
کیا اس نے سب کلبید کو آشکار
یہہ ہے ظالموں کی لعینوں کی کار
نہ تھا نیک ظنی تو اُن کا شعار
علیؓ سے وے رکھا دل میں غبار
نبیؐ کے علی کیوں ہوئے طرفدار
علیؓ تھے نہ بہتان میں حصہ دار
نکالا تھا خود آپ دل کا غبار
علیؓ تو نبیؐ کے تھے خدمت گزار
کیوں بٹتے وہ تھا نہ اُن کا شعار
خصوصاً نبی ہوتے جب استوار
سب اصحاب کا تھا نہ یہہ پر شعار
صلاح کے نبیؐ ہوتے جب طلبگار
یہ تھا ایسا کوئی نہ داں راز دار
نبیؐ اس پہ ہی کرتے تھے اعتبار
جبلّت کا دونوں کی اک تھا شعار
فنا فی النبی کی یہی تو ہے سار
نہیں اُن کا دیوثیت جو شعار

نہیں مانتے ہیں وہ مریم کو رب ۔ نہیں شرک پر ان کا کچھ انحصار
خلافت بلافصل کا یہ ہے بھید ۔ اسی پر ہے اسلام کا انحصار
یہی غرض تھی آپ کے آنے کی ۔ تا وہ عیسے کے مقتدا ہوں شمار
یہود و نصارٰے سے وہ جائیں بڑھ ۔ ملے شرک کو ان کے ہاتھوں سے ہار
نصارٰے کی سب بت پرستی ہو دور ۔ گھٹے زور پوپوں کا کھا کھا کے ہار
نبوت میں ہوئے نبی کامیاب ۔ ہے تاریخ عالم سے یہ آشکار
نصارٰے مثلث موحد بنے ۔ ملی پہلے عیسائیوں کو جو ہار
صحیح نکلا پھر آپ کا وہ کلام ۔ مسیحا کے حق میں جو ہے آشکار
وہی ہونگے غالب قیامت تلک ۔ مسیحا کے جو ہوں گے خدمتگزار
یہی معنے اس پیشنگوئی کے ہیں ۔ سنا آدے میں ہوں کیا انتشار
یہودی ہمیشہ ہی مغلوب ہوں ۔ نصارٰے سے جا یا کریں گے وہ ہار
نصارٰے پہ غالب ہوئے مسلمان ۔ محمدؐ کے پر بعد صرف ایک بار
لیا ان سے بیت المقدس کو چھین ۔ ہوئے صالحین میں وہ خود ہی شمار
نصارٰے کو ز اں بعد آیا خیال ۔ کہ ہوئے ہیں کیوں ہم ذلیل وخوار
ہوئے بیدار یفامر ان میں چند ۔ کہ جن پر ہوا ظاہر انجام کار
محمدؐ کی تعلیم سچی ہے کچھ ۔ جو ہے بڑھ گیا ہم سے وہ ذی وقار
کریں آؤ ہم بت پرستی کو دور ۔ ملے ہم کو بھی تا وہی پھر وقار
گھٹا پوپ کا زور پھر خود بخود ۔ چلی جو نصارٰے میں تیغ آبدار
بچا اس سے یورپ کا کوئی نہ ملک ۔ کھنچے اس میں یورپ کے سب تاجدار

نصارے ہوئے قتل دونوں طرف — زمین آسمان ہو گئے دھواں دھار
تسلط وِلے پایا اصلاح نے — شمالی ہے یورپ کو یہہ افتخار
سویڈن و ڈنمارک اور ناروے — شمالی ہیں یورپ کے جو وہ دیار
فرانس اور برطانیہ جرمنی — رعایا میں ان کی ہوئی کارزار
سُہانے فقط ڈھول ہیں دُور کے — سپین اور اٹلی رہے برکنار
پُرانے ہی دیں کے وہ حامی رہے — مسلمانوں سے چونکہ تھے دلفگار
رہے لڑتے دیگر نصارے سے وہ — سمجھتے تھے جنکو وہ ہیں نابکار
سمجھتے تھے یہ بھی مُسلمان ہیں — جو ہیں ڈالتے دیں میں رخنے ہزار
نہیں بت پرستی کو کرتے پسند — اُنہیں کا ساوہ رکھتے ہیں اک شعار
ملی بت پرستی کو آخر شکست — اڑا شرک ظاہر سب انجام کار
محمدؐ کی واں چل گئی ایک بات — خدا نے جو کی اُنپہ مخفی آشکار
لیا آپ لوگوں نے اس کو قبول — محمدؐ سے گو وہ رہے برکنار
نبی کی نبوت نہ کی گو قبول — وہ تعلیم سے پر ہوئے کامگار
بالفاظِ دیگر نبیؐ بڑھ گئے — جو تعلیم اُن کی نے پایا وقار
تو اردو اگر چاہیں سمجھیں اِسے — با ضمنی نتیجہ کریں یہہ شمار
بہرحال ریفارمیشن کا تھا — محمدؐ کی تعلیم پر کچھ مدار
محمدؐ نہ آتے بدلتے نہ دیں — ہر اک قوم کا شرک ہوتا شعار
غرض بڑھ گئے وہ نصارے نئے — نبیؐ کی وہ تعلیم کے طرفدار
پُرانے نصارے کو آیا زوال — گھٹا اُن کی تعلیم کا جو وقار

محمدؐ کے پیرو غرض بڑھ گئے — حقیقی دشمنی وہ عالی تبار

محمدؐ مسیح کے ہوئے مقتدی — صحیح معنوں میں ہوئے غالب شمار

وہی ٹہیرے ان کے صحیح متبع — وہی تا قیامت ہوں غالب شمار

یہی پیشنگوئی کا مفہوم ہے — خدا نے جسے ہے کیا آشکار

کہ غالب رہیں گے قیامت تلک — مسیح کے حقیقی جو خدمت گزار

یہی معنے اس امرِ ربی کے ہیں — جو ہو سکتا ہے پیشنگوئی شمار

نہ بخشے گا اللہ کبھی شرک کو — وہ پوشیدہ ہو خواہ وہ ہو آشکار

جلی شرک دنیا میں ہیں اب قلیل — خفی شرک کی لیک لمبی ہے تار

بڑہیں گے وہی لوگ دنیا میں اب — رہیں گے جو ہر شرک سے برکنار

وے بات باقی اب اک اور ہے — یہودوں کی کیوں اب نہیں کچھہ وقار

اگرچہ وہ بیزار ہیں شرک سے — موحد وہ پکے ہیں عالی تبار

خدانے لگائی ہے اک اور شرط — جو ہے ایک جا پر ہوئی آشکار

اتارا کرے گا خدا جو کلام — چلی جائے گی تا حشر جس کی تار

محافظ تا ٹہیرے کلاموں کا رب — کلام اپنے سے جو ہے کرتا پیار

چلے گا امامت کا اک سلسلہ — اماموں پہ بھید ہونگے تب آشکار

امامت کے بن ہے جہالت کی موت — اماموں کے منکر بھی ہوں گے خوار

امامت کو نہ ماننا کبر ہے — جو شرکِ خفی کی ہے باریک تار

نہیں مانتے ہیں امامت کو جو — یہہ چاہتے ہیں خود وہ ہوں عالی تبار

خلافت میں چاہتے ہیں ہو نا شریک — بنیں وہ امامت کے یا حصہ دار

امت کے بنتے ہیں گویا رقیب — یا شرکِ امامت کے تقصیر دار
امت خلافت نبوّت یہ سب — رسالت کی شاخیں ہیں یہ پر بہار
خدا کی ہے مرضی سے اِن کا نزول — خدا بندوں پر کرتا ہے خود نثار
خدا کا ارادہ نہ کرنا قبول — صفاتِ خدا سے ہے کفر آشکار
امامت کو نہ ماننا گویا اب — صفاتِ خدا کا ہے شرک آشکار
اگرچہ نہیں ہے یہ شرکِ جلی — ولے ایک مخفی ہے شرک آشکار
سنیں اب علیؓ کی امامت کا حال — خوارجؒ کے نزدیک تھی عیب دار
علیؓ تھے نبیؐ کے غرض ہم مزاج — علیؓ سے کیا کرتے تھے وہ پیار
مقولہ ہے مشہور ہم جنس سب — کیا کرتے ہم جنس سے ہیں پیار
اسی وجہ سے تھا نبی نے کہا — بحقِ علیؓ جو کہ تھے جاں نثار
علیؓ اور میں دونوں اک نور سے — ہوئے پیدا کہتا ہے پروردگار
علیؓ ہے نبیؐ سے علیؓ سے نبیؐ — خدا نے اِسے ہے کیا آشکار
ہے اس سے محبت نبی پر درود — ہو بغض اس سے بغضِ نبی ہی شمار
تبرا ہے اس سے نبیؐ پر ستم — تولا ہے اُس سے نبی سے پیار
مگر عائشہؓ اُن سے نہ ہوئیں صاف — ولے رکھا درپردہ اُن سے غبار
علاوہ ازیں کرتی تھیں رشک وہ — علیؓ سے نبیؐ کرتے ہیں کیوں پیار
گیا رشک آخر تنفر سے بدل — لڑائی یہ پہنچا جو انجام کار
خلیفہؓ سوم ہو گئے جب شہید — خلیفہ علیؓ ہوئے انجام کار
سنا عائشہ نے وہ گھبرا گئیں — مدینے سے چاہا کہ جائیں سدھار

زبیرؓ اور طلحہؓ صحابہ کرام
بڑھے سب سے بیعت میں دونوں بزرگ
وہ خود چاہتے تھے بنیں ہم امام
سناتے ہیں بعضے محدّث یہہ عذر
چنانچہ انہوں نے کیں درخواستیں
ملے اُن کو یا حصّہ سب سے بڑا
خلیفۂ دوم کے تھے وہ جانشیں
ملا ئے ستہ متناظرہ میں شمول
علیؓ نے نہ مانیں وہ درخواستیں
ملے گا تمہیں حصہ یکساں بڑا
یہہ اچھا ہے پر وہ نہ راضی ہوئے
لگے کہنے لوگوں سے وہ برملا
نہیں ڈھونڈتا قاتل عثمانؓ کے
گئے خدمتِ عائشہ میں وہ پھر
حقوق اپنے ثابت وہاں سب کئے
کہا اُنہوں نے ایسے انداز سے
کرایا اُنہوں نے ہے عثمانؓ شہید
علی پہ یہہ طوفان باندھا گیا
کریلہ وہ تھیں نیم پھر چڑھ گیا

علیؓ کے ہوئے پہلے خدمت گزار
پہ آخر کو تا دم ہوئے شرمسار
علیؓ سے بغاوت کو ہوئے تیار
کہ تھے طامع وہ دنیا کے طلبگار
بنیں کوفے بصرے کے عامل وہ یا
جو پہلے خلیفوں کے تھے رشتہ دار
کہ جس نے دیا ان کو تھا یہہ وقار
انہیں عشرہ کا بھی تھا اک افتخار
رہو تم مدینے مرے مددگار
کہا یہہ علیؓ نے انہیں آشکار
قناعت تو اُن کا نہ ہوا شعار
علیؓ تو ہے لیتا تساہل سے کار
نہ اُن کو سزا دیتا ہے ذی وقار
وہاں دونوں نے جاکے کی اک پکار
علیؓ کو بتایا وہاں عیب دار
تھے گویا علیؓ قتل کے رازدار
یا تھے کم سے کم قتل کے طرفدار
بحالیکہ تھے آپ نہ طرفدار
علیؓ پہ چڑھائی کو ہوئیں تیار

ارے لوگو عثمانؓ کا لو قصاص — علیؓ کی نہ مانو کہا آشکار
وے لوگوں کو یہہ نہ معلوم تھا — کہ عثمانؓ کو کہتی تھیں نابکار
بہانہ لڑائی کا تھا یہہ فقط — سمجھتی طلحہؓ کو وہ تھیں حقدار
جو تھا چچا ان کا قرابت میں ایک — خلافت کی ان کی وہ تھیں طلبگار
لگی کہنے لوگوں سے پھر برملا — علی کا نہ ہووے کوئی طرفدار
وہ چاہتی تھیں ہوویں علی یا تو قتل — خلافت سے یا ہوویں وہ برکنار
بنائیں یا خونِ علیؓ سے حنا — کریں قید یا اُن کو بے مددگار
اِسی غرض سے پھر کیا تھا خروج — یہ آخر کو کی گرم جا کارزار
غرض جا پڑیں عائشہؓ جنگ کو — نکالا وہاں دل کا اپنے بخار
ہوں میں جس کا مولا ہے اُسکا علیؓ — ذرا اس پہ رکھا نہ کچھ اعتبار
ملایا کئی لوگوں کو اپنے ساتھ — سپاہ ساتھ اُن کے ہوئی تیس ہزار
وہ کہلاتے اصحاب تھے جمل کے — ہوئیں عائشہ اونٹ پر جو سوار
علیؓ پر نہ چاہتے تھے اُن سے لڑیں — صلح آشتی ہو نہ ہو کارزار
صلح کی جو انہوں نے کیں کوششیں — کئی بھیجے قاصد وہاں مردانہ وار
تمامی وہ بے سود ثابت ہوئیں — وہاں ہوئے اُلٹے ذلیل و خوار
علیؓ ہوئے مجبور جب ہر طرح — تو وہ بھی ہوئے جنگ کو پھر تیار
ولے آپ کا پلہ بھاری نہ تھا — سپاہ آپ کی جو تھی جو کل بیس ہزار
بنا جھنڈا واں عائشہؓ کا وہ اونٹ — سپاہ اب ہوئی برسر کارزار
لگا آتے تھے ہاتھ سب اونٹ کو — تبرک کے وہ تھے بڑے پاس دار

ازاں بعد جاتے تھے پھر جنگ میں
پکڑتے تھے یا اونٹ کی پھر مہار

وہ تھا گویا گوسالۂ سامری
وہ چاہتے تھے ہو جائیں اُس پہ نثار

علیؓ کی چڑھائی ہوئی اونٹ پر
وہ چاہتے تھے ہو یہ شتر بے مہار

ولے چاہتے اصحاب تھے جمل کے
ہو نہ شتر حرم نبیؐ بے مہار

بچاتے تھے وہ اونٹ کو مر کے آپ
وہ کرتے تھے جان اپنی اُس پر نثار

وہاں آتے تھے مرنے کو شوق سے
وہ فردوس کے گویا تھے طلبگار

اگر مرتا اک آتا واں دوسرا
پکڑتا وہاں اونٹ کی آ مہار

اگرچہ وہ سب مرتے یوں ہی گئے
دیا اونٹ کو ہونے نہ بے مہار

لگاتار ستر نے پکڑی واں باگ
ہوئے عائشہؓ پر گویا سب نثار

بدقت کٹے پاؤں اس اونٹ کے
بمشکل گرا اونٹ انجام کار

سپاہ نے جو دیکھا گیا اونٹ گر
پڑی ان میں پھر ایک سخت انتشار

ہوئیں عائشہؓ پھر تو مغلوب واں
جو طرفین سے کٹ چکے دس ہزار

زبیرؓ اور طلحہؓ ہوئے قتل واں
گناہوں سے ہو ہو کے گو شرمسار

سپاہِ علیؓ سے نہ ہوئے وہ قتل
وہ خویشوں سے ہوئے ذلیل و خوار

جلایا علیؓ نے پھر اس اونٹ کو
پرستش نہ اس کی کریں نابکار

مورخ ہیں کہتے نہ مرتا گر اونٹ
سپاہ کھیت ہوتی وہاں تیس ہزار

ولے خیر گزری موئے کل خمس
علیؓ کے تھے جس میں قریب اک ہزار

موئے عائشہؓ کے وہ کل ساربان
ملا کر موئے جس کے کل نو ہزار

پشیمانی پھر اُن کو ہوئی وہاں
گناہ اپنے سے ہو گئیں شرمسار

لگیں کرنے کہتے ہیں خدمت کو پیش
اجازت دے مجھکو لگیں کہنے وہ
کیونکہ تیرے دشمن ہیں یاں بہت
اٹھائیں گے وہ تجھ پہ کوئی نہ ہاتھ
علیؓ کو بھی منظور حرمت وہ لے
ابوبکرؓ کا بھی انہیں تھا خیال
سرے سے علی کو نہ منظور تھا
مدینے میں ہی رکھیں تشریف آپ
اٹھائیں نہ کوئی مشقت یہاں
علیؓ نے یہہ کی عزت عائشہؓ
مدینے انہیں بھیجا بھائی کے ساتھ
لباس ان کو پہنایا مردوں کا ایک
وہ لے عائشہؓ نے یہ سمجھا تبھی
علیؓ کو تو پہلے تھیں کہتی برا
کہا جاتا ہے کہ وہ دیتی تھیں رو
خروج ان کا لایا تھا لیکن یہ پھل
ادھر منحرف ہوا پدر یزید
خلیفے کی بیعت کی پروا نہ کی
ادھر منحرف ہوئے سب خارجی

علیؓ ہوئے اُن کے جو واں پاسدار
رہوں ساتھ تیرے جو ہو کارزار
وہ حرم نبی کی کرینگے وقار
وہ ہو جائیں گے خود بخود شرمسار
نبی کی وہ حرمت کے تھے پاسدار
تھے ناموس بوبکرؓ کے پردہ دار
کہ ہوں عائشہ آگے باہر خوار
کہا اسلیئے تب بصد انکسار
نبی کی نہ کھوئیں کوئی اب وقار
کہ پہنچایا واپس انہیں باوقار
کیا عورتوں کو بھی ہمراہ سوار
تا حرم نبیؐ نہ ہوں رسوا خوار
مدینے گئیں پہنچ جب باوقار
لگیں کہنے اچھا پھر انجام کار
انہیں یاد جب آتی تھی کارزار
ہوئے ہر طرف خارجی آشکار
بنا شام کا آپ مختار کار
ہوا باغی دغا طمع جاہل شمار
مسلمانوں کے قتل کو تھے تیار

جہاں جنکو پاتے تھے کرتے تھے قتل ملی اُن کو پاداش انجام کار
[illegible] وہ درپردہ تھے بے شمار یہ ظاہر ہوئے اُن سے بارہ ہزار
تہائی ہوئے قتل در نہرواں یہ تائب ہوئے باقی کے اٹھ ہزار
کبھی شیعہ بنتے کبھی خارجی کبھی ناصبی بنتے وہ آشکار
علیؑ سے وہ کرواتے توبہ کبھی تذبذب میں رہتے نہ تھے استوار
انہوں نے چبائے علیؑ کو چنے لیا آپکو لینے دم نہ قرار
علیؑ کا تو قاتل بھی تھا خارجی وہ تھا ابن ملجم ہی تو نابکار
کہ جس نے کیا تھا علی کو شہید وہ ٹٹی کی اوجھل میں کھیلا شکار
شروع عائشہؓ سے یہہ ہوئے فساد شروع سے جو رکھتی تھیں دل میں غبار
یہہ مشہور ہے ایک ضرب المثل اسی کا ہوئیں عائشہ تو شکار
اگر جاوے روتا کوئی ذیوقار خبر لاوے مُردے کی وہ دلفگار
خبر لاوے مردے کی روتا سفیر اسی مثل کا ہو گئیں وہ شکار
کیا زندہ در گور پیری کے وقت اُسے بادشاہ نے جو تھا زوردار
وفات ہو گئی اُن کی اُس گور میں گرائی گئیں جس میں وہ دلفگار
وہ دعوتیں جب تھیں بلائی گئیں دھڑم گر پڑیں گڑھے میں دلفگار
نہیں قصہ یہ ختم اِس بات پر ابھی اِس کا چلتا ہے آگے کو تار
شہادت ہے باقی سب آل عبا شہید عرب کے ہوتے ہیں تاجدار
رہے کربلا جو تھے مثل مسیح کیا جان کو راہِ رب میں نثار
قلم کو نہیں تاب لکھے وہ یاں یہ کرتا ہے عاجز یہہ اب اختصار

علیحدہ کروں گا میں اس کا بیان ۔۔۔ خدا نے جو چاہا بصد انکسار
بزرگوں سے میری ہے یہ التجا ۔۔۔ کریں خود بھی اس میں وہ اک وچار
کئی عبرتیں مضمر ہیں قصے میں ۔۔۔ دیے کرتا میں ان سے ہوں اختصار
کیوں افک ہے درج قرآن میں ۔۔۔ جو کھوتا ہے حرم نبیؐ کی وقار
نہیں ان کی عفت میں کوئی ہوا ۔۔۔ حرم محترم تو نہ تھیں داغدار
یہ بدنام ہونا بھی اچھا نہیں ۔۔۔ نہ ہو جس میں کچھ فائدہ زینہار
اگر کوئی حکمت نہ منظور رہتی ۔۔۔ کیوں ہوئیں دنیا میں رسوا خوار
یقیناً برئیت ہے ان کی صبیح ۔۔۔ یہ ذکر ان کے سے ہمکو آتی ہے عار
نبیؐ ہوئے ان سے کیوں شک میں ۔۔۔ وہاں ان کا دل کیوں نہ تھا برقرار
کشیدہ رہے وہ کیوں ایک ماہ ۔۔۔ کیوں ہوئی تحریر ساری یہ کار
کیوں چشم پوشی نہ ان سے ہوئی ۔۔۔ کیوں نہ کسی کو وہاں آئی عار
کیوں ان سے قسمیں طلب کیگئیں ۔۔۔ نکالا کیوں یوں تھا دل کا بخار
علیؑ کو پھنسایا تھا کیوں عفت میں ۔۔۔ کہ جن سے رکھا حرم نے اک غبار
تسلی نہ کیوں حرم کو پہلے دی ۔۔۔ کیوں رکھا الہام پر تھا مدار
تسلی نہ فطرت نے کیوں دی انہیں ۔۔۔ پڑی روتی تھیں جبکہ وہ زار زار
یہ ہے ثابت ہوتا گئے ڈگمگا ۔۔۔ جب امکان بہتان کا پایا وہ نار
پیغمبر تو ہوتے ہیں سب کے امام ۔۔۔ انہیں رکھا فطرت نے جب استوار
نہ پردہ رکھی حرم کی آپ نے ۔۔۔ یہ فطرت کو اپنی کیا آشکار
نہیں فرق اسلام و فطرت میں کچھ ۔۔۔ پڑا کہنا قرآن ہے باربار

پیمبر کی فطرت ہے اُسوۂ عا
یہی افک باعث بنا قتل کا
ابو بکر کا دل بھی ہوا اُچاٹ
کیا خرچ مسطح کا پہلے تو بند
ابو بکر نے جو تھی بخشی عطا
حکومت ملی اُن کو محض اِس لئے
خلیفہ علیؓ ہونے کو تھے کہ پھر
لپیٹی اِسی لئے سب آلِ عبا
نہیں چھوڑی اسلام میں ہے یہ بات
کیا مفر عبرت ہے اِس قصے میں
سکھاتا ہمیں بات ہے کو نسی
یا کہتا ہے جائز ہے گر شک کریں
یہ ہے الغرض شانِ پیغمبری
کہ شبہوں کے موقع پہ شبہے کریں
نہیں ظن گو جائز ہر موقع پر
ہوں اِس موقع پر شک کیوں نا روا
اِسی موقع پر جائز ہیں شک سب
کہ ہے خیر اِس میں نہیں کوئی شر
رکوع آٹھویں کی ہے آیت یکم

وہ اسوۂ حسنہ ہوئی ہے شمار
علیؓ کا زمانہ ہوا داغدار
یہ ہوں تک ترکی اُس نے تھا ذیوقار
اُٹھایا بدستور پھر اس کا بار
بڑھا اس سے بھی اُن کا کچھ وقار
بڑھا سہنے بہتان سے تھا وقار
دھرا رہ گیا اُن سے سب کا پیار
خلافت اِسی سے ہوئی داغدار
ہے تاریخِ اسلام سے آشکار
کریں غور سے آپ آب اِفتگار
کریں شبہوں کے موقع پر اعتبار
اگر فطرتاً ہم نکالیں بخار
نہ اُن کا ہی جو ہیں ذلیل و خوار
اگر پاویں شبہوں کی امکانی تار
وہ لے بچہ جب پیدا ہو آشکار
نہیں خالی اس سے ہیں کیوں ذیوقار
نہیں اِفک طبعی غلط زینہار
یہی لکھا قرآن نے آشکار
پڑھیں سورتِ نور میں اِکبار

ڑا اس سے قصہ ہے مریم کا ایک
نہیں قصۂ عائشہ اس کا مثل
نا ہی ہے قرآن میں مثل کی
ہی سورت ہے مغز قرآن کا
اسی میں خلافت کا ہے تذکرہ
اسی میں ہے سب نور قرآن کا
نہ شرقی نہ غربی وہ ہے وسط کا
نہیں لکھا مریمؑ کے بارے میں یہہ
کریں کیوں نہ پھر ظن جھوٹے یہود
ادھر سے جو خاوند نہ مانیں گے آپ
یہودی ہیں سچے جو مانیں گے آپ
اگر تھا تو تھا وہ نہ عیسےٰؑ کا باپ
کہیں گر یہودی نہ مانیں گے ہم
اِک ہار تو ہارنے کا ہے نام
جسے ڈہونڈنے گئی تھیں عائشہ
سنیں اور رضی ضمیمۂ نیک
عقائد غلط ہی تو موجب بنیں
نہیں مانتا اس کو میں ہوں فقط
کہ کاٹنے جو کتا ہو ملزم و لی

کہ جس سے تھا بچہ جنا آشکار
جسے سمجھیں محمود عالی تبار
پڑھیں سورتِ نور با افتکار
اسی میں فَرَضْنٰھَا کی ہے لپکار
کہ جس پر ہے اسلام کا اک مدار
سراسر وہ ہے نور نہ ہے وہ نار
خدا کی طرف وہ ہے کرتا تیار
کہ خاوند ہی اُس کا نہ ہو زینہار
وہ ظن اُن کے محمود ہونگے شمار
اُدھر سے نتیجہ وہ ہے آشکار
کہ مریمؑ کا خاوند نہ تھا زینہار
کہ جو ہو سکے حمل میں حصہ دار
تو کس منہ سے اُن کو دکھاؤ گے ہار
دِگر ہار ہے عائشہ کا وہ ہار
کیوں اُس پر لاویں گے وہ اعتبار
کہ جس پر ہے داناؤں کا انحصار
عقاید کا ان سے جو رکھیں غبار
یہی مانتے سب ہیں عالی تبار
جو ہے پالتا اس کو بہر شکار

گلستان میں ہو گا پڑھا آپ نے
نہ سگ دامنِ کاروانے درید
کہ دہقانِ نادان کہ سگ پروَرید
یہی حال مریم کے ہے حمل کا
بالفاظِ دیگر وُہی لوگ ہیں
جو کہتے ہیں خاوند نہ رکھتی تھیں وہ
یہودوں کے سب جھوٹے بہتان اب
کیا ہو اگر باندھتے خود نہیں
بزرگوں کی عزت کو گنواتے ہیں
نہیں مثل ہو سکتے منکر تمام
نہیں مثل انسان ہو سکتے بے عزت
اگر منکر ہو جائیں سارے پاک
نہ مرتد ہوں اور نہ ہوں وہ ہلاک
جبلّت بھی سب اُن کی جائے بدل
نہیں دُور اُن سے کہ وہ مانیں تب
ولے جب نہیں کوئی موجود بات
کہ عیسیٰؑ کا والد نہ تھا زینہار
کیوں ہم یہ پھر موقع لوگوں کو دیں
وہ پاکوں کی عزت کو کوسا کریں

جہاں لکھتا سعدیؒ ہے یہ آشکار
جواب اس کا دیکھو ہے پُر افتخار
ذرا سوچیں اس بھید کی کیا ہے سار
جو خاوند نہ مانیں وہ منوائیں یار
جو لدواتے اُس پر ہیں طعنوں کا بار
ہوئیں غیب سے خود بخود باردار
انہیں کی وہ گردن پہ ہونگے سوار
جو بندھواتے لوگوں سے ہیں بار بار
وہ منواتے اُس کا ہیں درپردہ یار
جو دنیا میں ہیں اب ہزاروں ہزار
کرے جتن خواہ کوئی لاکھوں ہزار
رہیں پہلے مومن بھی استوار
تذبذب میں ہوں نہ وہ ہوں عیب دار
معزّز ہوں غیرت سے وہ ذیوقار
کہ مریمؑ ہوئیں خود بخود باردار
کریں سادگی سے کیوں اعتبار
ہوئی غیب سے ان کی ماں باردار
کہ بہتان باندھا کریں نابکار
وہ توڑا کریں دل کے اپنے بخار

گناہ ان کا ہم پر ہی لوٹے گا سب | جو والد نہ مانیں گے ہم زینہار

سُنیں اَور نازکتر اک بات اب | کہ جس پر نجاتوں کے ہیں سب مدار
اگر مانیں مریمؑ کو تھا حملِ غیب | نہ تھا مرد جس میں ذرا حصہ دار
اگر یہہ صحیح ہے یہہ ہے بے نظیر | کریں خواہ آدم سے ابتک شمار
نہ پائیں گے ایسی کوئی عورت آپ | بدوں مرد کے ہوئی ہو باردار
رہا پیٹ میں جس کے فرزند ہو | ہو جس کے مہینوں کا پورا شمار
وہ خواہ نو مہینے ہوں خواہ ہوں چھ | کہ نطفی حمل کے یہی ہیں شمار
نہیں ہوتا تلقیح ہے بیضہ تو خود | اگر ہوتا ہو دیں مثالیں دو چار
حمل تا ہو مریمؑ کا نہ بے نظیر | نہ تہمت کا اس پر کریں کچھہ وچار
اک آدمؑ کی بعضے ہیں دیتے مثال | وہ آدمؑ تو عورت نہ تھے زینہار
جنا تھا نہ بچہ کبھی آپ سے | نہ مانندِ عورت ہوئے باردار
نہ تہمت تھی اُن پہ لگائی گئی | نہ تھا بشر اُس کا گواہ زینہار
نہ زندہ کوئی بشر تھا تب وہاں | جو بہتان کا کرتا وہ افتکار
اگر دوسرا آتا طوفانِ نوحؑ | کہ جس میں نہ بچتا کوئی زینہار
اکیلی مگر بچتیں مریم فقط | نہ زندہ کوئی ہوتا جب زینہار
تا کرہی نہ سکتا کوئی ان پہ شک | نہ کہ سکتا اُن کو بغی زینہار
نہ قانون سے اُنس ہی ہوتا کچھہ | نہ بہتان کا اُن پہ چل سکتا وار
تو آدم سے تشبیہہ ہوتی درست | وہ ہوسکتی تھیں ملکہ بزھکے شمار

ے کوئی صورت یہاں جب نہیں
یہ بعضے ہیں کہتے مثالِ مسیح
بلا شک ہے قرآن میں آیت ایک
پڑھیں آلِ عمران کو آپ گر
رکوع چودھویں کی وہ ہے پانچویں
ئی مانگی لعنت ہے ان کے لئے
نہیں بات معمولی ثابت ہے یہ
نہیں ابن اللہ کا اس میں بیان
اگر دیکھیں قرآن کو غور سے
الوہیت عیسیٰ کا ہے وہ ردّ
نہیں لکھا تمثیل کے ضمن میں
ہمیں کہتا گو دوسرا ہے مقام
احاطۂ تشبیہ تو محدود ہے
احاطۂ تشبیہ نہیں ہے وسیع
خدا کا ہے مقصود جو ہے عیاں
کہ عیسیٰ تھے انسان آدم کی مثل
کہ آدم و عیسیٰ تھے دونوں بشر
نہ بے پدر ہوا ہے کوئی بیان
سکھائی ہے تشبیہ آدم بھی

تو کیوں دیویں تمثیل کو ہم وقار
ہے آدم کی مانند ہوئی شمار
کہ جس میں ہے تشبیہ ہوئی آشکار
سیپارے سوم میں کریں افتکار
کہ جس میں مثل ہوئی ہے آشکار
جو منکر ہوں تشبیہ سے عالی تبار
کریں غور سے اُس میں آپ افتکار
یہ دھوکا نہ کھاوے کوئی ذیوقار
کھلے گا یہی ہم پہ انجام کار
جہاں لایا تمثیل پروردگار
کہ ابن اللہ عیسیٰ نہ تھے ذیوقار
نہیں جس میں تمثیل کا اعتبار
کریں آپ بھی اس کو تنگ ہی شمار
خدا نے تو کی اس کی حد ہے شمار
کیا اُس نے ہے خود بخود آشکار
خدا نہ کہو اُن کو تم زینہار
ہوئے خاک سے پیدا وہ ذیوقار
وہ دونوں ہی یکساں ہوئے ہیں شمار
نہیں ہوتا مخلوق خالق شمار

پیمبر وہ دونوں ہی مخلوق ہیں ۔ کریں آپ اُن کو نہ خالق شمار
کہ خلقت میں یکساں ہیں سارے بشر ۔ ہیں سب بندے مٹی سے ہوئے تیار
نہیں کوئی تخصیص عیسےٰؑ ہے جب ۔ تو آدمؑ سے بڑھکر وہ کیوں ہوں شمار
نصاریٰ کا رد اس میں مقصود ہے ۔ جو کرتے ہیں عیسےٰ کو برتر شمار
جو کہتے ہیں آدمؑ گنہ گار تھا ۔ گناہوں کا اُس کے نہ تھا کچھ شمار
کہا مانا تھا اس نے شیطان کا ۔ نہ رحمان کا مانا تھا زینہار
وہ کھا بیٹھا پھل جو کہ ممنوع تھا ۔ جب اُس پر تھا شیطان ہوا سوار
بنا وہ گنہ گار رحمان کا ۔ وہ ہوا تھا مجرم ذلیل و خوار
وہیں اللہ نے پھر تو فرما دیا ۔ جنم لوں گا انسان میں میں ایکبار
مرکب وہ انسان ہوگا مسیحؑ ۔ وہ معناً خدا ہووے گا آشکار
نہ شیطان کی ہوگی واں دسترس ۔ وہ ٹھہرے گا مجرم نہ تقصیروار
اُسے بھی کہیں گے اک آدم دوم ۔ مقابل میں پہلے کے ہو ذی وقار
وہی ہوگا نورانی آدم دوم ۔ ولے پہلا آدم تھا تقصیروار
ارے لوگو عیسیٰؑ وہی آدم ہے ۔ کرو اس کو آدم سے بڑھکر شمار
کہ پہلا تو آدمؑ تھا ظلمانی ہی ۔ نہ تھا نورِ ربی کا وہ حصہ دار
وہ پہلا تو آدم تھا انسان ہی ۔ یہ تھا دوسرا نیز پروردگار
ملی تھی یہ پہلے ہی کو تو سزا ۔ کرے آپ محنت سے روٹی تیار
تھا شیطان نے جب دبایا اُسے ۔ بنا امرِ ربی کا تقصیروار
لباسِ بہشتی بھی چھینا گیا ۔ جو عُریانی یا نوری تھا آشکار

عتاب اس کی بیوی پہ بھی یہہ ہوا ۔ وہ مرد ہی سے ہوا کرے باردار
اطاعت کرے اپنے خاوند کی وہ ۔ نہ حکم اس کا ٹالے گی وہ زینہار
کرے گی وہ شوق اپنے خاوند کیطرف ۔ وہ خاوند بھی اُس سے کرے گا پیار
جنے گی وہ بچے بدقت تمام ۔ وہ چلائے گی درد سے بار بار
اُٹھائیگی تکلیف وہ درد سے ۔ کرے گی وہ وقتِ ولادت پکار
چلے گا یہی قاعدہ آگے کو ۔ نہ گزریں گے جب تک برس چند ہزار
مبارک وہ ثانی تھا آدمؑ مگر ۔ مقدس مطہر وہ تھے اک اوتار
تقاضا یہہ رحمِ خدا کا ہوا ۔ سُنی اس نے دکھوں کی جو سب پکار
مقید کیا اُس نے شیطان کو ۔ مسیح کو بنا بھیجا اُس نے اوتار
اڑیں تب سزائیں بھی یکلخت سب ۔ خورشی خورمی کی جو آئی بہار
چنانچہ ہوا چھوٹتے ہی یہہ فضل ۔ کہ مریم ہوئیں خود بخود باردار
دیگر دیکھو اُس پہ یہ رحمت ہوئی ۔ کہ جننے کے وقت اُس نے کی نہ پکار
پھر عیسیٰؑ پہ ہوا یہ فضلِ سوم ۔ ہوئیں فصلیں گندم کی از خود تیار
وہ تھے کھاتے خوشوں کو خود توڑ کر ۔ تھے حمدِ خدا گاتے لیل و نہار
کبھی توڑتے پھل تھے انجیر کے ۔ اُگے گویا خود رو تھے وہ آشکار
جو دیتے نہ پھل تھے وہ زیرِ عتاب ۔ اُسی دم کو تھے سوکھنے کو تیار
اٹھایا گیا غرض جو باغِ عدن ۔ زمانِ مسیح میں ہوا آشکار
سیاہ ہوا آدم کا تو تھا لباس ۔ لباسِ مسیح بن سیاہ تار دار
نہیں ہوئے یہہ ظاہری فیض ہی ۔ ہوئے باطنی بھی کئی آشکار

ہوئیں ساری موقوف قربانیاں — جو قربان عیسے ہوئے آشکار
خُدا اور بندے میں حائل مسیح — ہوئے لیکے اُنکے گناہوں کا بار
گناہوں کو پھر واں چلایا گیا — جو روح القدس کا ہوا انتشار
محبت کا ڈنکا بجایا گیا — چلی دنیا میں پھر عجب اک بہار
ہوا فضلِ ربی کا یہہ اقتضا — شریعت کا پھر اُٹھ گیا اعتبار
شریعت ہٹی دنیا سے پھر تمام — طریقت حقیقت ہوئیں آشکار
خلاصہ ہے یہ عیسویت کا سب — کریں لوگ چاہیں اگر اعتبار
مگر اُلٹ کہتے ہیں جو ہیں یہود — کہ عیسے دغا باز تھا نابکار
بنا ہوکے مقتول ملعون وہ — شریعت یہی کہتی ہے آشکار
شریعت نہیں ہوتی منسوخ ہے — پڑیں چیخیں سب لوگ خواہ بار بار
شریعت کی لعنت نہیں سکتی ٹل — کرے خواہ کوئی جتن لاکھوں ہزار
مسیح کی ولادت بھی ملعون تھی — (معاذ اللہ) ماں اس کی تھی نابکار
یہ روح القدس مکر کا ہی تھا نام — جو جواریوں پر ہوئی آشکار
ازاں بعد جو ہو گئی منقطع — ہمیشہ رہی نہ وہ کیوں برقرار
محبت تو عشق کا ہی اک نام ہے — جو یورپ میں اب ہے ہوا استوار
پُرانے زمانے میں یہ پاک تھی — نصارے کو تھا جس پہ اک افتخار
زمانے کی حالت دگر گوں ہے — امیر ہوتے ہیں عشق کا اب شکار
زر و مال کے تو یہی کھیل ہیں — رہا دین کو اب نہیں وہ وقار
نہیں ہے ضروری جوان کے لئے — وہ اک بیوی پر ہی کرے اقتصار

بکلی نکاح سے رہے باز وہ
رہیں عورتیں بھی جو نہ پردہ دار

کیوں ایسا نہ ہو کہ ہر ایک مرد
کرے چاہے گر بے بیاں وہ ہزار

نصارٰے کے جو ہیں یہ سارے قیاس
کہ جن کی ہیں کرتے وہ گھر گھر پکار

یہودوں کے بھی جو جو بہتان ہیں
جو ٹھیراتے عیسےٰ کو تقصیروار

وہ توڑے خدا نے ہیں قرآن میں
کیئے آدم و عیسےٰ یکساں شمار

کیا ثابت اُس نے یہہ ہے زور سے
اسی ایک آیت سے با اختصار

نہ باغ عدن کا آیا کنعان میں
نہ مریم تھیں از خود ہوئیں باردار

چُرایا نہ خداوند سے جی جیتے جی
رہیں بلکہ اُس کی وہ خدمت گزار

اُسی کی طرف تھا بڑھا اُن کا شوق
اُسی سے ہوئیں پھر وہ تھیں باردار

بچیں دردِزہ سے وہ ہرگز نہ تھیں
رہا خاوند اُن کا وہاں پاسدار

مسیحؑ اور آدمؑ تھے مخلوقِ رب
برابر و یکساں تھے عالی تبار

وہ دونوں تھے اک دوسرے کے مثیل
نہ آدمؑ تھے بد نہ مسیح نابکار

اگر لغزشیں کیں تو دونوں نے کیں[۵]
ارادوں میں پر نہ تھے وہ عیب دار

نہ آدمؑ تھے معیوب نہ تھے مسیحؑ
جو ملعون کہتے ہیں ہیں نابکار

غرض آدمؑ و عیسیٰؑ دونوں مثیل
وہ پیدا ہوئے مٹی سے ذی وقار

نہ آدمؑ خدا تھے نہ عیسیٰؑ قدیر
نبی تھے مگر دونوں وہ ذی وقار

برابر تھے درگاہِ ربی میں جب
ہو آدمؑ سے بڑھکر مسیحؑ کیوں شمار

[۵] مسیحؑ کی لغزش کا قصہ: وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ پارہ ۷ سورۃ مائدہ رکوع ۱۶ کی پہلی آیت میں مذکور ہے

اگر چاہو قربانی کا پوچھنا
خدا کی حضوری میں ہونا مطیع
بغض رکھنا جن سے خدا غصے ہو
یہ اسلام قربانی ہے برملا
یہی تو ہے کہلاتا اکبر جہاد
محبت کا اصلی یہ ہے اقتضا
لذائذ سے رہنا بہت دور دور
غلاموں کو دیدینا ملکوں تلک
اٹھانا نہیں بوجھ اک کا دگر
نہیں مانتا گر کوئی بات یہہ
نہیں ٹال سکتا کوئی بھی عذاب
اٹھایا کرو آپ اپنی صلیب
زنا کے نہ ہونا کبھی مرتکب
تجاوز نہ کرنا پر اس سے کبھی
حمایت نہ رہبانیت کی کرو
شریعت طریقت کا ہے اک لباس
اسی کے ذریعے ہے سب معرفت
نہیں موسوی ہے شریعت غلط
یہودی مسیح سے جو بیزار ہیں

تو وہ تو ہے اسلام ہی آشکار
بلا اجر لوگوں سے کرنا پیار
نہ مرنے سے ڈرنا ذرا زینہار
مگر اپنے ہی نفس کی بار بار
جہاد اصغر اس سے تو ہے شرمسار
خدا کے پیاروں سے کرنا پیار
براہ خدا مال کرنا نثار
یہی دین اسلام کے تھے شعار
خصوصاً مصیبت ہو جب آشکار
ثبوت ہے یہ بیماری سے آشکار
خدا کا وہ نازل ہو جب آشکار
یہی کہتا اسلام ہے بار بار
کرو چاہو گر یباں تا بچار
مبادا ہو تم ذلیل و خوار
تا شیطان تم پہ نہ ہووے سوار
حقیقت اسی سے تو ہے آشکار
اگر یہہ نہ ہو تو ہو خلقت خوار
کرو اس کے معنوں میں پر انکار
بتاتے ہیں ملعون اُسے نابکار

دلائل یہہ اُن کے ہیں پر سب غلط ۔ کریں آپ اُن کا نہ کچھ اعتبار
وفاتِ مسیحؑ نہ ہوئی بر صلیب ۔ وہ ملعون کیوں ہو پھر عالی تبار
دیا چھوڑ دم" یہہ نہیں موت ہے ۔ کہ اس میں تو موجود ہے اختیار
دیا جان کو" یہہ نہیں ہے دمار ۔ طرف اپنی سے اُس نے جان کی نثار
نہ لی پر خدا نے وہ جانِ عزیز ۔ غشی سے اُٹھا جی جو عالی تبار
یہی بات کہنے میں آتی ہے یوں ۔ اُٹھے موت سے جی وہ عالی تبار
شہادت کا درجہ انہیں مل گیا ۔ بنے جو وہ مرفوع عالی تبار
یہود و نصاریٰ کی سب حجتیں ۔ کہ جن پر ہے دونوں کو اک افتخار
باحسن وجوہ درج قرآن میں ۔ کرے کاش کوئی مگر افکار
اگر وقت ہوتا میں کرتا بیاں ۔ یہ کرتا ہوں میں اُن سے یہ اختصار
یہی آیت الغرض فرمائی ہے ۔ بلا باپ عیسیٰؑ نہ تھے زینہار
مسیحؑ جیسے آدمؑ کا ہووے مثیل ۔ ہو مریمؑ نہ کیوں حوّا سی باردار
ولے سمجھیں گے لوگ سمجھیں گے جب ۔ نصاریٰ جو کرتے ہیں پھرتے پکار
اگر ڈالیں گے کانوں میں اُنگلی ۔ سرایت کرے گی وہ خوں میں پکار
پھر اک وقت لوگوں پہ آئے گا وہ ۔ اُٹھے گی بزو وانؑ کے خوں سے پکار
تو ناچار کہنا پڑے گا انہیں ۔ الٰہی کہاں سے ہے آتی پکار
مبارک وہی جو کہ سن لیں گے اب ۔ تدارک کریں پہلے ہی ذی وقار
غلط جو عقاید ہیں اُن سے بچیں ۔ ابھی پھیر لیں اپنے دل کی مہار
پڑے گا غرض ابتو یہہ ماننا ۔ کہ شوہر سے مریمؑ ہوئیں باردار

اگر کوئی ضد سے نہ ملنے گا یہ تو کہنا پڑے گا وہ تھیں عیب دار
یہودی پہ بننا پڑے گا اُسے انہیں کا سا رکھے کا جو وہ شعار
کیا عجب ہے ہووے وہ ہی سمان حدیثوں میں آیا ہے جو آشکار
محمدؐ کی امت پہ آئے گا وقت یہودوں کا سا رکھے کی وہ شعار
اگر جائیں گے گوہ کی بِل میں یہود مسلمان بھی ڈھونڈیں گے واں سوسمار
نیوگن یا کہنا پڑے گا اُسے بنے گا وہ پر آریہ آشکار
پڑے گیا کہنا وہ تھا حملِ غیب نظیر اُس کی لیکن نہیں آشکار
اگر ہوتی موجود اک ہی نظیر کیا ہُوا اگر ہیں نہیں تین چار
تو کہتے کہ آئی ہے ہوتی یہ جب کریں حمل ایسے کا کیوں ہم وچار
ولے جب نہ انسانوں میں ہو نظیر نہ کیوں مانیں مریمؑ کو پروردگار
کیوں مانیں اس کو نہ مجبور ہم وہ ہو سکتی ہیں کیسے مختار کار
مُکلّف وہ فتووں کی ہونگیں کیوں خدا نے کرایا انہیں کیوں خوار
کہ لگوائے لوگوں سے بہتاں آپ نہیں جُرم مریمؑ کا کچھ زینہار
یا مانیں کہ وہ تو تھیں زوجۂ رب بھی اُن کا ہو اقذار فدار
یہودوں کے قولوں پہ کی اک گرفت جو ہیں مانتے اُن کو تھیں نابکار
حَبِلَتْ انہیں کی ہے تائید ہیں تفکر سے سوچو ذرا ایک بار
نہیں حق ہم کو تحکم کریں تحکم ہے بختوں کو کرتا خوار
خدا کو نہیں قولِ ظالم پسند ہے مظلوم کی وہ تو سنتا پکار
جو فطرت کو مانے وہ ظالم نہیں یہی کہتا اسلام ہے آشکار

یہہ دعوے اُسے ہے کہ فطرت ہے وہ	جبلت پہ سب اس کا ہے انحصار
جو فطرت کو مانیں وہ ملعوں ہوں	کیا کہنے ہیں جن کے ہوں یہ شعار
خدا لگتی کہنا ہے کیا اِس میں جھوٹ	ہے انصاف پر جبکہ اس کا مدار
کیا فرق ہے کفر و اسلام میں	ہے کس بات میں اُس کو اب افتخار
تحکم کو بحثوں میں رکھے روا	دلائل میں اُس کا ہو گر یہہ شعار
تحکم مناظر کو جائز نہیں	یہہ قرآن نے بھی کیا آشکار
خدا نے جو چاہا کہ ثابت کرے	کہ قرآن اُسی نے دیا ہے اتار
تو فرمایا لے آؤ تم سب گواہ	یہ کرتا ہے مِن دونِ رب کی پکار
خدا نے ہے تاکید سے یہ کہا	نہ ٹھیراؤ رب کو گواہ زینہار
بناؤ جو آیت کوئی اِس کی مثل	خدا کی قسم کھاؤ نہ زینہار
نہیں فیصلہ ہوتا قسموں سے تو	فریقین کی قسمیں یکساں شمار
تو مریم کے بارے میں پھر کسطرح	خدا کی قسم سے نکالوگے کار
سناؤگے تم خصم کو کیسے بات	عقیدہ خدا نے کیا آشکار
اجازت نہیں خصم دیں گے تمہیں	دلیلوں کے ہی ہونگے وہ طلبگار
کلام اُن کی جب آپ ہیں پرکھتے	تو قسموں کا اُن کی نہیں اعتبار
تو کس منہ سے رکھوگے اُن سے امید	کریں آپ کی قسموں کا اعتبار
نہیں گے وہ قرآن کو افترا	تحکم پہ جو رکھتا ہے انحصار
نہیں قولِ ربی کہیں گے وہ یہ	بنایا ہے تم نے یہ مکروں کا تار
غرض وہ سنیں گے تمہاری نہ بات	جو تم سننا چاہتے نہیں زینہار

وہ کس منہ سے ٹھیراؤ گے ہیں لعین — اسی برتے پر کرتے ہو افتخار
اگر چاہو ہو دیں تحکم یہہ دوُر — تو مانو وہ شوہر سے تھیں باردار
وگرنہ پڑے گا اُسے ماننا — خدا کی تھی زوجہ یا پروردگار
مسیح جس کا تھا پسر اکلوتا ایک — کہیں گو یا تثلیث ہی پر مدار
نصارٰے جو ملکانی فرقے کے تھے — اسی پر تو تھا اُن کے دیں کا مدار
تھے جسمانی تثلیث کو مانتے — وہ ماں باپ بیٹا تھے کرتے شمار
اسی قسم کی بات اب کہتے ہیں — وہ رومن کتھالک بڑے ذی وقار
خدا کر کے گرچہ نہیں مانتے — یہ مریمؑ کو دیتے ہیں از حد وقار
اُسے کہتے ہیں ماں خداوند کی — خداوند جس سے ہوئے آشکار
وہ تھے بے خبر اصلی تثلیث سے — کہ جن کا ہے روح باپ بیٹا شمار
نہیں مانتا اِس کو قرآن لیک — مگر وہ تو کرتا ہے یہ آشکار
نہیں تین اقنوم ہیں رب کے — وہ اسمائے حسنیٰ کے ہی ہیں شمار
اللہ ہی ایک اُس کا اصلی ہے نام — نود نو صفاتی کا کُل ہے شمار
اقل نام لیکن فقط تین ہیں — صفاتی کا جن میں ہے دو ہی شمار
وہ رحمٰن اِک ہے دوم ہے رحیم — کریں آپ بسم اللہ میں افکار
رسالت کا رحمٰن کرتا نزول — بشرطیکہ آ جائے اُس کی بہار
تقاضا ہے رحمانیت کا یہی — کہ کرتا ہے دنیا سے رحماں پیار
نہیں چاہتا ہے کہ خلقت مری — گناہوں میں ڈوبے وہ ہو خوار زار
وہ بھیجا ہے کرتا کلام اپنا — کہ جیسے ہے دیتا وُہ بارش اُتار

یہہ بارش تو آیا ہے کرتی مدام — ولے اِس کا موسم تو ہے آشکار
یہی حال روحانی بارش کا ہے — وہ آتی ہے جب اُس کی آوے بہار
کبھی بھی نہ ٹوٹیں گے یہہ سلسلے — قیامت ہی جب تک نہ ہو آشکار
قیامت ہی آجائے ٹوٹیں یہ گر — اِنہی بارشوں پہ تو ہیں انحصار
جو کرتے ہیں رحمانی بارش قبول — رحیم ان کو دکھلاتا ہے اک بہار
دلوں کو وہ کرتا ہے سرسبز پھر — تروتازہ ہوتے ہیں وہ جوں انار
رحیم اُن کو دکھلاتا یہہ شان ہے — فرشتے ہیں پھر کرتے اُن پر اتار
خدا سے اترتی ہے تسکین پھر — ہے شبنم کی مانند جس کا اتار
تروتازہ کرتی ہے رہتی اُنہیں — اٹھائیں جو بارش کی پہلی بہار
یہی فیض ہوتا ہے روح القدس — خدا جس پہ چاہتا ہے دیتا اُتار
نہیں اُس کا ہوتا ہے اُن پر نزول — اٹھاتے نہیں جو ہیں مینہ کی بہار
جمع دونوں گر ہوں تو دنیا بسے — کہ دونوں پہ دنیا کا ہے انحصار
جو یہ منقطع ہوں تو مرجائیں لوگ — سبھی لوگوں کا پھر تو یہہ ہو شعار
بڑے جو ہیں کھاجاویں لوگوں کو وہ — ہوں کمزور زور آوروں پہ نثار
کہیں قتل بچے ہوں چوری کہیں — قطع رحمی لوگوں کا ہو پھر شعار
اِدھر گرم بازارِ فسق و فجور — اُدھر ظلم پر لوگ رکھیں مدار
زنا و شراب و کباب و سرود — عناد و حسد کی ہو ہر سو پکار
ریا و ربا و ضلالت مگر — قساوت پہ ہی لوگوں کا ہو مدار
غرض اللہ کی جو جو ہیں رحمتیں — رحیم اور رحمان میں آشکار

خدا کی اوّل صفتیں دو ہیں یہی — انہی پر ہے آبادی کا سب مدار
شروع ہوتی بسم اللہ دونوں سے ہے — یہہ آتی ہیں قرآن میں بار بار
صفاتِ دگر انہی کی ہیں فروع — بتدریج بڑھتا ہے اُن کا شمار
مگر اِک خدا ہے وہ ہے ذات ایک — جسے اللہ کہتے ہیں عالی تبار
فقط تین ہیں نام اُس کے اوّل — یہ تینوں کا پھر اِک یہ ہے اقتصار
صفاتی ہیں دو اور ذاتی ہے ایک — یہ لکھے ہیں بسم اللہ میں آشکار
صفاتی نہیں ہوتے دو سے ہیں کم — نہیں دو کا ہو سکتا جو اختصار
صفاتِ دگر انہی کی شاخیں ہیں — انہی کی ہے اک شاخ پروردگار
دُوُم شاخ ہے مالکِ یوم الدین — کرو فاتحہ کے شروع افتکار
جہاں پنج ہی ہوئی ہیں کل بیان — کہ جس میں ہوا اللہ بھی ہے شمار
نہیں پنج پر لیک ہے انتہا — نود نو تک اُن کا ہے جاتا شمار
یہہ ساری ہیں مذکور قرآن میں — عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ غَفُوْرٌ سَتَّارٌ[1]
کَرِیْمٌ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ عَظِیْمٌ — قَوِیٌّ مَتِیْنٌ جَلِیْلٌ قَہَّارٌ
حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ — وَلِیٌّ عَلِیٌّ حَفِیْظٌ جَبَّارٌ
سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ وَهَّابٌ رَزَّاقٌ — مُعِزٌّ مُذِلٌّ وَدُوْدٌ غَفَّارٌ
یہہ اِک ثُلث کا ہی ہوا ہے بیان — کہ دو ثُلث کا بھی ہے ایسا شمار
یہی ہے بیاں اصلی تثلیث کا — نصارٰے کو جس پر ہے اِک افتخار

[1] ستار۔ قہار۔ جبار۔ غفار۔ اگرچہ مشدد ہیں لیکن ضرورت شعری کی خاطر مخفف کرلئے گئے ہیں۔ کیوں کہ عموماً اکثر لوگ اردو میں انہیں مخفف کرکے بولتے ہیں۔ ۱۲

یہی کھولا قرآن نے تو ہے بھید — اسی کو ہے اس نے کیا آشکار
یہی متن میں اور دیباچے میں — نہ اکبار بل اکیسو چودہ بار
ہر اک اک سورت کا یہہ ہے شروع — کہ ہے رنگ برنگ کی ہر اک میں بہار
دلے یہہ تو ہر اک کے اجمال ہیں — مفصل تو سورت میں ہے انکا
دلائل ہیں منفی ہوئے ختم اب — سنیں آپ مثبت دلائل کی سار
کہ قرآن جو ہے مقدس کتاب — وہ لَارَیْبَ فِیْهِ کہتا ہے آشکار
زمر کی مبارک جو سورت پڑھیں — رکوع تیسرے میں ہے یہہ اذکار[1]
خدا کی ہے سنت وہ فرماتا ہے — کہ مشکل سخن درج ہیں بار بار
سمجھ آوے کامل تا دل ہوں رقیق — کرے لرزہ بدنوں میں پھر اک آتا
ہو توفیقِ اعمالِ حسنہ ہمیں — گناہوں پہ ہم کو نہ ہو اقتدار
خدا کی یہ ہے ایک قدرت عجیب — بیاں ذکر مریم کا ہے بار بار
یہی بھید دو بارہ لکھنے کا ہے — کہ مجمل کی تفصیل ہو آشکار
اگر دیکھیں آپ آلِ عمران میں — وہاں اس کے قصے میں ہے اختصار
اگر دیکھنا چاہیں تفصیل کو — تو مریم کی سورت پڑھیں ایکبار
بشارت ہیں دیتے فرشتے اسے — کہ بچہ جنے گی تو آسنے با وقار
کریں غور گر اس کے عذروں میں آپ — جوابا جو اس نے کیے آشکار
تو معلوم ہو گی یہ قدرت عجیب — خدا نے ہے کی کس طرح آشکار
ہے درج اک عذر آل عمران میں — یہ مریم میں ہوئے ہیں دو آشکار

[1] اذتکار بروزن افتعال کا اذکار بن گیا ہے ۱۲

یہی حال باقی کے قصے کا ہے
ہے مذکور ہر بات دو دو ہی بار

کذلک پہ پہلے تو وقفہ نہیں
لیا وقفے نے دوسرے پر اتار

کذالک ہے اک آل عمران میں
دوم کا ہے مریم میں ہی اذکار

کذالک مثالی وہ شوہر کا ہے
کہ جس پر ہے تفہیم کا سب مدار

نفخنا میں فیہ کا فیہا بنا
ذرا سوچیں اس موڑ کی کیا ہے سار

مثالی ہے مذکور قصہ کیوں
ذرا سوچیں گر دین سے ہے پیار

بتنگڑ بناتے ہو کیوں بات کا
خدا نے تو حق حق دیا ہے اتار

نہیں کہتا لامستھا بشر وہ
کہا احصنت اس نے ہے دونوں بار

خدا کی شہادت بڑھائیں نہ آپ
جو کرتا پڑا اس میں ہے اقتصار

وہ دعوے ہے مریم کا نہ رب کا
نہ مریم ہماری ہے پروردگار

جو ہم مانیں گویا وہ ہے امر رب
جو فرمایا ہے عذر میں دونوں بار

نہیں چھوا ہرگز مجھے مرد نے
نہ میں قوم میں ہوئی ہوں داغدار

اگر سوچیں مریم کے عذروں کو آپ
حقیقت سب ہو جائیگی آشکار

نہیں عذر یہ ایک یہ تو ہیں دو
حمل کا تو ہوتا ہے اک یہ شعار

یہ دونوں ہیں اک دوسرے کے نقیض
وگرنہ یہ دونوں ہیں یکساں شمار

برابر ہوں دونوں تو معنے یہ ہوں
زنا میرا ہرگز نہیں تھا شعار

نہ جھپٹا تھا مجھ پر کوئی غیر مرد
نہ میں نے تھی کی اس سے بوس وکنار

کیا کہتے واہ واہ ہیں اس بات کے
نکالا ہے مریم نے کیا بخار

قیاس اس کے میں ہے زنا کے سوا
نہ ممکن تھا ہو گی کبھی باردار

نکاح کا خیال اُس کو آیا نہیں
یہ یاد آئی مجھکو ہے اب ایکبات
فرشتہ خدا سے جو لایا پیام
یہ پھر دینا تھا چاہیئے یہہ جواب
کیوں کہتا ہے اَے فرشتے یہہ بات
بشارت تیری یہ بشارت نہیں
نکل جا پڑے ہٹ تو ہو مجھ سے دور
تو افسر ہے شیطان کا اک لعین
بہانے سے ہے پوچھتا بات کو
خدا کی قسم کھا کے کہتی ہوں میں
یہہ معنے ہیں منظور تمکو اگر
مبارک یہہ معنے ہوں اب آپ کو
برابر جو ہیں مانتے روح کو
فقط بحث باقی اب ایک اور ہے
کہ ممکن ہے وہ زوجۂ رب ہو
خدا کی معاذ اللہ ہوا ہو شک
تسلی ہو جا ہی واں قاصد کے ہاتھ
کہا اس کو مریم نے ہو بر ملا
یہہ معنے بھی ویسے ہی مردود ہیں

یہی مومنوں کا کیا ہے شعار !
کہ ممکن ہے کرتی ہو بہتاں شمار
وہ تہمت کی کرتا تھا گویا پکار
لگے کرنے تھے لوگ جب سنگسار
پڑا مجھکو کیوں کرتا ہے تو خوار
بشارت یہ کیوں نہ ہو تہمت شمار
کہیں کا یا ہے جی تو اک نابکار
جو چاہتا ہے کرنا مجھے سنگسار
بنا شیخ نجدی ہے تو نابکار
زنا کی نہیں میں ہوں تقصیر وار
تعرض نہیں کرتا ہوں زینہار
سعیدوں کا پر یہہ نہیں ہے شعار
کہ مریمؑ پہ جس کا ہوا تھا اُتار
مساوی کریں عذروں کو گر شمار
یہ ہو غیر کے واسطے دلفگار
(معاذ) خفا مجھ پہ میری ہے کیوں گلعذار
جو آکر بنا اُس کا ہو رازدار
نہیں واللہ میں ہوئی ہوں نابکار
کہ جیسے ہیں مردود وہ نابکار

لگاتے جو مریم پہ بہتان ہیں
نہیں ممکن الغرض دونوں عذر
وہ ہیں دونوں اک دوسرے کے نقیض
مقابل یہ ہوتے ہیں ہمجنس ہی
مقابل یہ ہوتے نہیں غیر جنس
وہ دونوں ہیں مُدنی یا ہیں طبعی
نہیں یہہ ہے ممکن کہ جس حال میں
تو پہلا ہو طبعی یہ مُدنی دوم
اگر یہہ ہوں طبعی بلَفّ ونشر
نہیں چھوا مجھکو کسی مرد نے
یہہ مرد دو معنے ہیں جس حال میں
یہ معنے نہ مَسّ کے بنیں گے جماع
بشر ہوگا شوہر کا ہی ایک نام
بغیًّا کے معنے ہیں گو کنچنی
تو جو منحرف قوم سے ہو وہ ہو
قدم مارے گر قوم افراط پر
تو جائز ہے اُس سے بغاوت کریں
بغیًّا بغاوت سے نکلا ہے لفظ
عموماً ہوا کرتی ہے چونکہ بد

جو کہتے ہیں یہہ وہ تو تھی نابکار
ہوں یکساں برابر مساوی شمار
پڑے گا تمہیں کہنا آخر کو ہار
عدو کو عدو سے ہیں کرتے شمار
دلائل کی یہہ بھی نرالی ہے سار
سمجھ جاویں اللہ کرے ذیو قار
مقابل یہ ہوئے ہیں وہ آشکار
عدیلوں کی ہوتی نہیں ہے یہ سار
کریں گے اسی بات کو آشکار
نہ ہوئی ہوں گھوڑے سے میں بار
کریں آپ دونوں کو مُدنی شمار
یہی مُدنی کی تو نرالی ہے سار
کہ جس کی ہو بیوی بڑی شرمسار
ولے غور سے جب کریں افتکار
اُسی قوم کا وہ بغیًّا شمار
یا تفریط ہی اُس کا ہووے شعار
عذابِ خدا کے نہ ہوں حصہ دار
بغاوت کبھی ہوتی اَحسن شمار
بغیٌّ ہوتی ہے کنچنی ہی شمار

بغاوت ہمیشہ نہیں ہوتی بد ۔۔۔ تمدن کے آداب کے ہیں شعار
بنی کے معنے نہ ہیں کنچنی ۔۔۔ فقط اصطلاحاً ہیں ہوتے شمار
کیا تھا کیا ہو گیا الٹ سب ۔۔۔ ذرا لغت میں دیکھ لو اکیبار
تو پھر مانیں گے آپ میری یہ بات ۔۔۔ خدائے جو کی مجھ پر ہے آشکار
تو مقبول معنے پھر اب یہ ہوئے ۔۔۔ جو ہر طرف سے لایا ہوں گھیر گھار
نہیں لیگیا مجھکو خاوند ہے گھر ۔۔۔ تا ہو جاتی میں اُس سے واں باردار
دلیری پڑی میری اب تک نہیں ۔۔۔ کہ بن جاتی میں قوم میں داغدار
یہ دستور تو ہے کمینوں کے ہاں ۔۔۔ شرع گو کہ کرتی نہیں بد شمار
لیٹ جائیں خاوند کو میکے میں ہی ۔۔۔ تا ہو جائیں اُن سے وہ پھر باردار
نہیں برتا میں نے یہہ دستور ہے ۔۔۔ نہیں ہوئی میں قوم میں بدشمار
تدبر کریں آپ اب غور سے ۔۔۔ کہ مریمؑ کیوں ہوئیں اسوہ شمار
اگر حمل ہوا اُسے آپ آپ ۔۔۔ تو کس غرض سے ہوئی اسوہ شمار
مثالاً وہ ہوئیں کیوں پیشیں تھیں ۔۔۔ اگر اُن کا خاوند نہ تھا زینہار
کہا مانا اس لیے نہ خاوند کا گر ۔۔۔ تو ازواج کا اسوہ تھیں کیوں شمار
معاذ اللہ کہنا پڑے گا یہہ پھر ۔۔۔ رسولِ خدا تو تھے نہ زینہار
یا کہنا پڑے گا وہ تھے ایک جن ۔۔۔ کہ جن کا نہ تھا جسم اک زینہار
خدا کی پناہ اس عقیدے سے ہے ۔۔۔ جو مومن کو کرنا پڑا ہے خوار
نہیں اسوہ ہو سکتیں ازواج کا ۔۔۔ نہ مومن کا ہو سکتی ہیں وہ شمار
کیوں کرتے مومن ہیں پھر شادیاں ۔۔۔ نکاح کرتے ہیں لیکے پیسے ادھار

نکاح سے کیوں باز آتے نہیں
نمازوں میں کیوں پڑھتے ہیں یہ مدام
نہیں سمجھا اب بھی اگر آپ نے
کذالکِ سکھاتا پڑا ہے کہا
اگر سوچیں گے آپ اب غور سے
پڑے گا یہی ماننا آپ کو
کہ اِس میں تو تصدیق دستور ہے
ضمیر ہوتی مابعد مرجع کے ہے
یہی حال ہوتا اشارے کا ہے
وہ پیدا کیا کرتا ہے اِس طرح
نہ نے جائیگا تجھکو گھر تیرا مرد
بغاوت تو مذموم یہ ہے نہیں
بھلا پیدا کرتا ہے وہ کسطرح
بتا سکتے عورت ہیں دنیا میں آپ
نہیں ہم بتا سکتے گر اک نظیر
جو مریم کے حق میں ہے اُس نے کہی
کی تصدیق اُس نے ہے اک جابیاں
اُٹھایا اُسے لیں" ہوئی حاملہ"
یہ فعل اختیاری ہیں میری سنیں

ہے کیوں مومن و مومنہ کا شعار
کیوں کرتے ذُرّیتی کی پکار
جواب خدا میں کریں افتکار
کیا تردید اس میں ہے یا اعتبار
ذرا آل عمران میں ایک بار
حقیقت تو یہ ہوئی ہے آشکار
نہ تردید اِس میں کوئی زینہار
خصوصاً جہاں وقفے کا ہو اُتار
ضمیر ہی کا سا جو ہے رکھتا شعار
ہے مریمؑ نے جیسے کیا آشکار
بغی قوم کی پر تو ہو گی شمار
اگر تو خدا کی ہو خدمت گزار
ذرا دیکھ لیں دنیا میں ایک بار
بدوں مرد کے ہوئی ہو بار دار
کریں سنت اللہ پہ آپ اعتبار
کذالک یہ آپ اب کریں اعتبار
ہے یہ ذکرِ اجمالی اِک آشکار
مفصل خدا نے دیئے ہیں اتار
کہ جن میں ہے اجمالی تفصیلی تار

مفصل دوم اور مجمل یکم
کلاموں کی تصدیق کی کس طرح
اٹھایا تھا مریم نے کیسے کلام
ہوا کونسا فعل ان کا بیان
کہ اس نے کی تصدیقِ قولِ خدا
وہاں پھونکا تھا کونسا وہ کلام
اٹھایا جو مریم نے ہو شادکام
کلاموں سے ہوتے ہیں دنیا میں کام
فرشتہ مثالی تھا بشر تھا
فرشتہ وہ خاوند مثالی ہی تھا
مقدس یوحنا بھی فرماتے ہیں
شروع میں کلام ہی تھا جو مل ہیں
کلام ہی تھا جینے کا روحِ رواں
یہی بھید خلقت کا ہے خلق کی
کیا کلمۂ رب اور کیا روح رب
فرشتے نے مریم کو سمجھایا جو
وہاں سے کیا اس نے مشرق کو کوچ
اسی کو خدا نے ہے فرمایا یوں
جو ہو آئی جا کے تھی ننہال میں

کریں ان کے معنوں میں آپ افکار
اگر مانیں وہ نہ تھیں پروردگار
جو متمثل ہو کے ہوا آشکار
ہمیں تا کہ آ جاوے یہہ اعتبار
اٹھا کر ہوئیں جس کو وہ باردار
نتیجے میں جس کے ہوئیں باردار
فرشتے کی باتوں پہ کر اعتبار
نہیں اس میں کوئی ہے شک زینہار
مثالی وہ تھا شوہر کا مگار
وہ متمثل ہو کے ہوا آشکار
کلام مجسم ہوا آشکار
وہی ساتھ اللہ کے تھا آشکار
جو متمثل ہو کے ہوا آشکار
ہوا کُن سے سب کچھ یہہ ہے آشکار
یہہ دونوں ہیں مترادف اے ذی وقار
وہ مریم کو جب ہو گیا آشکار
جو مریم نے اس کا کیا اعتبار
کہ تصدیق مریم نے کی آشکار
بنی جا کے خاوند کی وہ رازدار

کرنا خدا کا کیا ہوا تب
ی کو نہیں کہتے یہ سب لوگ اب
نواری تھی جب تک نہ تھی حاملہ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكَ
یں اب مانگتا صاحباں رخصت ہوں

وہ پہلی ہی بار ہو گئی باردار
کہ مریم کنواری ہوئی بازدار
رہی نہ بکر جب ہوئی باردار
کہ حق حق ہوا سب ہے اب آشکار
خدا سمجھ دے سب کو اور افکار

سنو ناظریں صاحباں بھائیو
عقیدہ جو سمجھا ہوں میں خواب میں
ماننے بڑا کوئی صاحب اسے
ظارے جو دیئے ہیں وہ ہولناک
تصور جو لاتا ہوں اُس خواب کا
رادہ تھا خوابوں کی تفصیل دوں
یں مجبور خوابوں سے ہوتا نہ گر
نفر مجھے خود نمائی سے ہے

نہ رکھتا مری طرف سے کچھ عذار
کیا میں نے حق حق ہے سب آشکار
مجھے خواب اپنی پہ ہے اعتبار
کہ جن میں رہا روتا میں زار زار
تو دل میرا روتا ہے پھر زار زار
ولے مجھکو منظور ہے اختصار
عقیدہ نہ کرتا میں یہہ آشکار
مجھے خوابوں نے پر کیا استوار

اے مریم تو صدیقہ عفت شعار
اگر مانیں ہم یہ عقیدہ غلط
مو نہ یا رکھتی تھی خاوند کا تو
پتیرے گھر کی غیرت مجھے کھا گئی

یہ ملعونوں کا ہوتی ہے تو تو شکار
کہ خاوند نہ تو رکھتی تھی زینہار
جو تھا تیری عفت کا نہ حصہ دار
میرا حال بدتر ہوا خوار زار

جو غم میں ہوا سوکھ کے کانٹا میں — جو کرتا ہوں راتوں کو اختر شمار

اسی غم میں گھل گھل کے گھائل ہوا — میں مانند مجنوں ہوا ہوں نزار

خدایا تو فریاد میری کو سن — نہ کرنا مجھے دنیا میں شرمسار

تو محنت میری کو ٹھکانے لگا — تو کر اپنے ہی فضل سے بیڑا پار

بھروسا نہیں مجھکو اعمال کا — فقط فضل تیرے پہ ہے انحصار

نہ مونس ہے کوئی نہ غمخوار ایک — سوائے تیرے کوئی نہیں مددگار

خدایا تو اُمت میں روح ایسی پھونک — کہ ہوں دین کی مدد کو وہ تیار

نمونہ صحابہؓ کا دکھلائیں وہ — کریں دین کو دنیا سے بڑھکر پیار

خدا سے ملتجی اب ہے آمین بھی
نہ یکبار آمین بل بار بار

آمین ثم آمین

کتاب کے ملنے کا پورا پتہ

مولوی محمد سعید سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ
ہائی سکول گجرانوالہ (پنجاب)

صحت نامہ سعادت یتیمیہ

ناظرین صاحبان سے بصد ادب التماس ہے۔ کہ کتاب پڑھنے سے پہلے مندرجہ ذیل غلطیوں کو درست فرمالیں۔ کل غلطیاں گو سو سے کچھہ زیادہ ہیں۔ لیکن انمیں سے پینتالیس غلطیاں سنجیدہ غلطیاں ہیں۔ انپر (س) کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ انکو ضرور ہی درست کرلینا چاہیئے۔

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۲	۱۶	جاتے (س)	جاتے ہیں	۱۸	۹	واپنے	کو اپنے
۲	۱۸	تالہ	تاکہ	۱۹	۱۸	انگریزی پرلاس	انگریزی
۴	۶	کیونکہ	کیونکہ اور	۲۲	۱۵	ہے۔ کہ جب	ہے۔ جب
۵	۱۲	بالقابہم (س)	بالقابہ	۲۴	۳	متی (س)	مٹی
۷	۹	ور	آور	۲۶	۶	پھر	بیٹھ
۱۱	۱۰	ایسے (س)	اِسے	۲۷	۱۵	خلفتہ	خِلقتہ
۱۱	۱۰	وہ آن (س)	اور آن	۲۹	۶	علیہا السلام (س)	علیہا السلام
۱۷	۱۲	لاتے	لاتے ہیں	؍؍	۱۲	؍؍ دہی	

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
[illegible]	۱۲	علیہا السلام (س)	علیہا السلام	۶۰	۷	صلاح	اصلاح
″	۱۶	″ (س)	″	″	۱۲	دوزح	دوزخ
″	۱۱	اللہ (س)	اللہ تعالےٰ	۶۷	۱	عذات	عذاب
۳۰	۱۳	اورضمنی (س)	اورحتمی	۷۴	۱۱	حواب	جواب
۳۴	۱۵	اُن نے	اُن کے	۷۵	۱۱	پوری ہونے والی (س)	پوری ہونے والی
۳۸	۴	اپنے بیٹے (س)	اُسکے بیٹے	۷۶	۷	عرب (س)	عرب تم اس سودے کی
	سرخی پر	۳۷	۳۸	″	۱۳	بوں	یوں
۴۲	۱۳	اختن	اخَتس	۷۷	۱۷	بڑتی گئی	برتی گئی
۴۴	۹	مکہ شریف اور (س)	مکہ شریف	۸۱	۲	آما	آتا
		مدینہ شریف	اور کربلا شریف اور مدینہ شریف	۸۱	۱۹	باب	باپ
۵۰	۸	حصول (س)	حصون	۸۶	۱۳	تمام جنگیوں کو (س)	تمام خانہ جنگیوں کو
″	۱۳	النساء	الف یا ہ	۸۷	۱۶	بارے (س)	بارے میں
۵۲	۱۰	اورپھ	اور پھر	۹۳	۱۸	کات	کاٹ
۵۸	۵	بھی س	ہی اُس	۹۴	۱۵	اخروی و نجات (س)	اخروی نجات
۵۹	۱۴	ہوکا	ہوگا	۹۹	۱۷	انکار ہی (س)	انکاری

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۹۹	۱۰	و	اور	۱۴۷	۱۸	مں بہی	میں ہی
۱۰۱	۱۱	(س)	بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹	۱۴۸	۱۲	ناروار	رازدار
۱۰۳	۱۸	آکے	آگے	۱۵۱	۱	منکروں لو	منکروں کو
۱۰۴	۷	تُدنی	تُمّدنی (تمدنی)	۱۵۲	۱۰	عضت	عِفّتْ
۱۱۰	۲	مماثات سے اس	مماثلت سے بہی	۱۵۳	۱۷	افتگار	افتکار
۱۲۷	۴	مثیت	مثبت	۱۵۴	۱	رکھے	رکھتے
۱۳۴	۹	بوجودہٖ احسن	بوجہِ احسن	۱۵۵	۳	تدبذب	تذبذب
۱۳۷	۹	بہیئت دنیا	ہیئت دنیا	۱۵۷	۱۴	بیغام	پیغام
۱۳۸	۱۷	کائنات موجود جو (س)	کائنات جو وجو	"	آخری شعر	پرغرورا (س)	غرورا
۱۴۲	۸	فیضانِ فیضی (س)	فیضان غیبی	۱۵۹	۳	بجید	بھید
۱۴۵	۶	نشرکی	نشر کے	"	۹	غبار (س)	سبخار
"	۱۱	تاثر	متاثر	۱۶۱	۳	دبار	دیار
"	آخری شعر	سر (س)	سحر	۱۶۲	۴ و ۶	پیسنگوئی	پیشگوئی
۱۴۶	۴	برطرف (س)	ہرطرف	۱۶۴	۸	ملائے	ملا
۱۴۷	۷	باالانفاق	بالاتفاق	"	۹	درخواسیتں	درخواستیں

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۱۶۵	۳	طحہ	طلحہ	۱۷۵	۹	اِنان	انسان
،،	۷	حب	حِنا	۱۷۶	۱۵	سیاہ (س)	سیا
،،	۱۴	باصد (س)	قاصد	،،	،،	سیاہ (س)	سیا
،،	۱۷	بوتھی بوگل (س)	بوتھی گل	۱۷۷	۳	چلایا گیا (س)	ملایا گیا
۱۶۸	۷	لی	علی	،،	۱۳	جواریوں (س)	حواریوں
۱۶۹	۵	کوئی شہا (س)	کوئی ہے شک	۱۸۰	۱۵	بزوداں (س)	پڑی اُن
،،	۱۳	عفت	مُفت	۱۸۱	۲	رکھے کا	رکھے گا
،،	۱۶	نار (س)	تار	،،	۴	رکھے کی	رکھے گی
،،	۱۸	لیا	کیا	۱۸۳	۴	ہکیں (س)	رکھیں
۱۷۰	۱	پیبر	پیمبر	،،	آخری شعر	ؤہ	وُہ
،،	۶	محفل (س)	محض	۱۸۴	۳	ہہ	یہہ
،،	۱۰	افتگار	افتکار	۱۸۹	۱۱	تدنی	مدنی
۱۷۲	۸	ہواگر (س)	ہواگر	۱۹۰	۴	آب (س)	آپ
۱۷۳	آخری شعر	بر ھکے	بڑھکے	۱۹۳	۱۶	عفت شار	عفت شعار
				،،	۱۸	خاوندکالو (س)	خاوند کا تو
۱۷۴	۸	ذیوقار	ذیوقار	۱۹۴	۳	ستمسار (س)	شرمسار